میرا دوسرا وجود

محمد نصیر زندہ

جناب محمد نصیر زندہ ایک قادرالکلام شاعر ہیں۔ ہر چند رباعی کے فن پر اُن کی گرفت قابلِ رشک ہے، تاہم ان کا شاعرانہ کمال فقط قدرتِ کلام سے عبارت نہیں ہے۔ ان کی شاعری کا اصل جوہر تاجدارِ ہل اتیٰ، شیرِ خدا، مشکل کشا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے والہانہ، گہری اور لازوال محبت سے پھوٹتا ہے۔

پروفیسر فتح محمد ملک

زندگی کی مختلف جہتوں پر سامنے آنے والے سوالوں کے جواب رباعی کی صورت میں فراہم کرنے کی جناب زندہ کی کوششیں ذرا دیر کے لیے انسان کو ایک اور ہی دنیا میں لے جاتی ہیں۔ نئے پرانے مشکل موضوعات کو فنی خوب صورتی کے ساتھ نظم کر کے عزیزم نصیر زندہ نے جہانِ دانش کو اپنی جانب متوجہ کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں شاعری اور قاری کے درمیان یہ رابطہ دیر تک قائم رہے گا۔ ایک ایسا رابطہ جو ذہن و دل کے دریچوں کو وا کرتا ہے اور خیر کی قوتوں پر ہمارے یقین کو مستحکم کرتا ہے۔

افتخار عارف

رباعی اپنے اندازِ بیان، ساختیاتی مہارتوں، ادق مضامین کی بوقلمونیوں کے باوصف عرشِ سخن سے پرے کی حورِ مستور رہی، زبان و بیاں کے اساتذہ اسے کوچۂ رقیب جانتے رہے۔ دیگر اصنافِ ادب کو ساتھ رکھیں تو اس کی حیثیت ریت میں لعل و جواہر کی سی ہے۔ پوٹھوہار، جس دیس میں چو کلیے، سوہلاں کلیے، ویہہ کلیے، بینت راج کرتے ہیں، وہاں کا دراز گیسو نصیر زندہ، کاکلِ رباعی کا مجنوں نکلا۔ وہ اس لیلیٰ سخن پر ایسا مر مٹا کہ زندہ و امر ہو گیا۔ زندہ کی ژرف نگاہی اور بیان کی مہارت قابلِ توجہ ہے جو کسی طرح اساتذہ سے کم نہیں۔ زندہ اسپِ بیاں کو بازوئے براق تفویض کرتا ہوا اقلیم خیال کو کسی شہنشاہ کی طرح زیرِ نگیں لاتا ہے۔ غالبؔ کے ہاں مضامین غیب سے نزول کرتے ہیں، تو زندہ افلاکِ وجود و مثال، وَرا و ماورا کے شکم سے دُرِ مضموں کھینچ نکالتا ہے۔ اس کے مضامین اچھوتے، کلاسیکی اور متحیر کر دینے والے ہیں۔ سخن کے تاجور اگر کوزے میں دریا بند کرتے ہیں تو زندہ کوزے سے سمندر نکالتا ہے۔ مستقبل میں جب بھی عہدِ حاضر کی رباعی کا مقدمہ مرتب ہوا تو یقیناً۔۔۔ ہاں۔۔۔ یقیناً محمد نصیر زندہ جدید کلاسیکی رباعی کا باوا آدم ٹھہرایا جائے گا۔

یاسر کیانی
(تمغۂ امتیاز)

میرا دوسرا وجود

اتنا حسیں تھا جھوٹ کہ سچ رام ہو گیا
یعنی قلم فروش وطن کا ادیب تھا

محمد نصیر زندہ

۸۹۱_۴۳۹۱

ن ص ی ر، محمد نصیر، زندہ (پ: یکم اپریل ۱۹۶۶ء)
میرا دوسرا وجود/ محمد نصیر زندہ
گوجرخان: قلم دوست مطبوعات، ستمبر ۲۰۲۱ء، ۱۷۶ اصفحات
۱-اردو ادب ۲-شاعری-غزل-رُباعی
۳-پنجاب-کلر سیداں
آئی۔ ایس۔ بی۔ این: 978-969-7829-08-8

سلسلۂ اشاعت (۱۰)

MERA DOOSRA WUJOOD/
MUHAMMAD NASEER ZINDA.- GUJAR KHAN: QALAM DOST PUBLICATIONS,SEPTEMBER-2021,PP176, SERIES OF PUBLICATION(10)
ISBN: 978-969-7829-08-8

مشینی خطاطی: ساجد عظیمی/ راول پنڈی
مصوّری سرورق: صادقین
کتابت سرورق: جواہر القلم (عادل محمود چشتی)/ گوجرخان
طبع اوّل: ستمبر ۲۰۲۱ء
ناشر: قلم دوست مطبوعات، گوجرخان
قیمت: ۴۰۰ روپے
دست یابی کا پتا:
میلاد چوک، وارڈ نمبر ۷، حیات سر روڈ، گوجرخان شہر، ضلع: راول پنڈی
صوتی رابطہ: ۰۳۰۰۹۸۳۳۳۳۴ / ۰۳۴۸۵۲۷۵۹۶۶

انتساب

جمال خاشقجی کے نام

قلم ضمیرِ کائنات پر حکومت کرتا ہے
قلم سے اگر صاحبِ قلم کا سر قلم ہو جائے تو تاریخ کا سورج نئے
افق سے طلوع ہو کر اس کی حیاتِ سرمدی کا اعلان کرتا ہے۔

ترتیب

1۔	حرف حرف وجود/محمد نصیر زندہ	11
2۔	جدید رُباعی کا کوزہ گر/ طاہر یاسین طاہر	12
3۔	انوارِ مصطفےٰ میں فنا ہو گیا ہوں میں	19
4۔	آسماں عرصۂ ناز کا سایہ ہے	21
5۔	زہر اکسیر کر رہا تھا میں	23
6۔	دشتِ گماں غبارِ جنوں کا رقیب تھا	26
7۔	شمس دیدہ وری سے ڈرتا ہے	28
8۔	شوق کی تازگی نہیں جاتی	30
9۔	کہیں لامکاں کو خبر کرو	33
10۔	نہ ابتدا کی بات کر نہ انتہا کی بات کر	37

11۔ شور ہے رقصِ جنوں کا کہکشاں کی اُس طرف 40

12۔ آئینۂ خیالِ بتاں سے نکل چلو 43

13۔ مرے گرد آفتاب پھرتا ہے 46

14۔ فتنے جو اُس کی چال پر جھوم اٹھے 49

15۔ گمان تھا خیال تھا نہ یہ کیا نہ وہ کیا 52

16۔ دیدۂ راز ہیں ناگفتہ اشاروں نے کہا 55

17۔ شیشۂ فانوس حائل ہے رُخِ تنویر میں 56

18۔ اندیشۂ تعبیر تو ششدر میں پڑا تھا 58

19۔ رستے کا گزر جفاؤں میں رکھ دینا 60

20۔ ساقی کا جام الٹا پڑا تھا بدن کے پار 61

21۔ بے رنگ و بے کراں ہے مراد و سرا وجود 63

22۔ واسطہ درمیان پڑتا ہے 65

23۔ فردوس و ارم رختِ سفر میں پڑے ہیں 66

24۔ مقسومِ کائنات کا پیمانہ بھر گیا 68

25۔ تاریک اُجالوں کی مدارات نہ کرنا 70

26۔ زندگی رائگاں کا فاصلہ تھا 71

27۔ رقصِ نظارہ کا پہلو کوئی کامل نہ رہا 73

28۔ مئے نشاطِ غمِ آرزو نہیں تھا میں 75

29۔ کلبۂ خاک آسماں نہ ہوا 77

30۔ صنم قبائے بدن سے نکل گئے ہوں گے 80

31۔ صحیفۂ مہ و پروین سے اختلاف کرو 82

32۔ نمودِ زیست ہے موجِ سراب کی تشنہ 83

33۔ غلبۂ جراتِ احساس کا فن مانگتے ہیں 84

34۔ دیارِ جنوں کی ہوا مختلف ہے 85

35۔ گرد کا سائباں نہیں ہوں میں 87

36۔ غم نگر عاشقی سے خالی ہے 88

37۔ عذابِ طرفہ نظر کے مکاں اُگ رہے ہیں 90

38۔ یہ جسم مت اُتاریے کمبل میں گھومیے 92

39۔ دیارِ شمس و قمر کی حیات خرچ ہوئی 93

40۔ زمیں کے خواب چشمِ لالہ و گُل میں ہمکتے ہیں 94

41۔ خامشی گفتگو سے ڈرتی ہے 96

42۔ وسوسہ پُر ملال پھرتا ہے 96

43۔ قرۃالعین طاہرہ فاطمہ زرّیں تاج 97

44۔ فروغ فرخ زاد 99

45۔ پروین شاکر 101

46۔ سگمنڈ فرائڈ سے ماخوذ 101

47۔ ہم یہاں قتل ہو کے آئے ہیں 102

48۔ قحطِ آرزو 104

49۔ انسان زمین بدر ہوتا ہے 106

50۔ انکار 109

51۔ فردا 109

52۔ شہرِ آشوب زاد 110

53۔ گمان کے شمال میں 112

54۔ رباعیات 113

۞

حرف حرف وجود

لمحہ ساکت تھا اور میں چل رہا تھا، دید کے منظر بدل رہے تھے، لیکن ہر منظر میرے وجود کا منظر نامہ تھا۔ دریا میرے خروش کا بہاؤ تھا، سمندر میرے سکوت کا ایک گوشہ۔ چڑیا کا شاخِ بریدہ پر چہچہانا میرے ہونے کا اعلان تھا۔ مگر مجھے اس لمبے سفر پر جانے سے پہلے ہزار جسموں کا لباس اوڑھنا پڑا۔ مرّیخ و زحل کو میرے پتھر سے تراشا گیا۔ میری ایک چنگاری سورج کی پاتال میں گر گئی، ستارے میرے حرم سے نورانی قبائیں پہن کر گرمِ سفر ہو رہے تھے۔ میں نے بھی حسینۂ آرزو کامرمریں ہاتھ تھام کر خاکستری ریشم پر قدم رکھا۔ میری دکانِ چہرہ ساز پر حسیناؤں کا ہجوم اُمڈ آیا۔ ہر کوئی زیبا پیرہن پر خوب سے خوب تر چہرہ سجا کر موجۂ رنگ و نور کے دائرے میں رقص طراز ہوتا چلا گیا۔ میں نے خواب کے روزن سے دیکھا کہ مرا وجود عکس در عکس قوسِ قزاحی دائروں میں تقسیم در تقسیم ہو گیا ہے۔ رنگ و نور کی شوخی سے جب میں چونک کر بیدار ہوا تو ایک اور خواب ناک وجود میرا عذاب چکھنے کے لیے بے تاب تھا۔

محمد نصیر زندہ

کلر سیداں

۷ مارچ ۲۰۲۱ء

محمد نصیر زندہ جدید رُباعی کا کوزہ گر

شاعری وصفِ پیمبری ہے، اپنی ذات کا وجدان پائے بغیر قافیہ کاری تو کی جاسکتی ہے، مگر بلند پایہ مضمون، یا شعری جمالیات سے بھر پور کوئی مصرع نہیں کہا جا سکتا۔ کوئی تخلیق کار اپنی ذات کا ہی سراغ پالے تو اسے کامیابی کی دلیل کہا جائے گا مگر محمد نصیر زندہ، جنہوں نے اپنے شعری مجموعہ کا نام ''میرا دوسرا وجود'' رکھا ہے، نے اپنی ذات کا وجدان پالیا ہے۔ انہوں نے بڑی مہارت سے اپنے اندر کے شاعر کو پورے قد وقامت کے ساتھ زندہ رکھا ہوا ہے۔ ان کا تخلص اس پر معتبر دلیل بھی ہے۔ یہ ان کا پانچواں شعری مجموعہ ہے۔ اس سے ان کی مہارت اور استادانہ چابک دستی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کتاب کا نام ہی اس بات کی دلیل ہے کہ محمد نصیر زندہ اپنی ذات کا گیان حاصل کر کے ذات سے آگے کا سفر شروع کر چکے ہیں۔ شعر کہنا کوئی میکینکل عمل نہیں۔ شعر کہنا سیکھا نہیں جا سکتا بلکہ انسان کو جب شعر کہنے کی خداداد صلاحیت کا ادارک ہو جائے تو محنت وریاضت سے اس وصف کو نکھارا ضرور جا سکتا ہے۔ شاعری کسبی عمل نہیں بلکہ الہامی کیفیت کے دوران کشید کردہ درِ معانی کی موزوں ترتیب ہی شعر کو شاعری کے کسی قابل ذکر درجے تک رسائی دینے کا حوالہ وذریعہ ہوتی ہے۔ شاعر کو تلمیذِ یزداں بھی کہا جاتا ہے۔

محمد نصیر زندہ کی رباعیات میں شاعرانہ جلال بھی ہے اور جمال بھی۔ وہ اپنی رباعی میں بلند مضامین، نئے خیالات کو تیکھے اور تیز دھار استعاراتی وتشبیہاتی سامان سے سجانے میں مہارت رکھتے ہیں۔ اپنے فکری وجدان سے آشنا اس بندۂ خدا نے فارسی، عربی اور اردو اساتذہ کے کلاسیکی کلام کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور پھر اپنی ریاضت کو فن کے چرخے پر کاتنا شروع کر دیا۔ میرا دوسرا وجود سے ما قبل محمد نصیر زندہ رباعی پر ''نقشِ تحیرّ، عرشِ سخن، نقدِ آرزو اور ھَلْ مِنْ

نَاصِرِ یَنْصُرُ نَا'' لکھ کر صاحبانِ علم و ہنر سے سند کلام لے چکے ہیں۔ اس کتاب میں زندہ کی غزلیں بھی شامل ہیں، جو انہوں نے پیر صاحب آف گولڑہ شریف سیّد شمسؔ گیلانی کے کہنے پر کہی ہیں۔ محمد نصیر زندہ رباعی کا وہ جادوئی شاعر ہے جس کا فکری پرندہ روح الامین کا ہم سفر رہتا ہے۔ ان کی ایک رباعی دیکھیے:

گرد اڑ کے مری دیدۂ اختر میں پڑی   سخت ابتری افلاک کے لشکر میں پڑی
پوشاک سمندر کی پہن لی میں نے   پھونک ایسی حبابِ کاسۂ سر میں پڑی

اردو رباعی میں ایسا انوکھا اور جاندار مضمون کم از کم میری نظر سے نہیں گذرا۔ یہی نہیں بلکہ زندہ نے کربلا کو جس زاویہ فکر سے دیکھا اور عالم انسانیت کو کربلائی ضرورت کا احساس دلایا اس کی تعریف نہ کرنا ظلم کے مترادف ہے۔ کربلائی استعارے اور کربلا کے حوالے سے زندہ کی رباعیات کا اسلوب منفرد اور اثر پذیر ہے۔ اس سے قبل ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ رباعی ہے کیا؟ اور رباعی نے مقبول و نامقبول صنف کے حوالے سے ناقدین ادب کے حجرہ میں کتنی جگہ پاتی ہے۔

رباعی ربع سے ہے جس کے معنی چار کے ہیں۔ رباعی اور قطعہ ہر دو کو چار مصرعوں پر مشتمل مختصر نظم کہہ سکتے ہیں مگر دونوں کی ساخت اور عروضی پابندیوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ رباعی کے مخصوص چوبیس اوزان ہیں جو سب کے سب بحر ہزج سے ہیں۔ رباعی کے 24 اوزان کا استخراج روایتی طور پر بحر ہزج سے کیا گیا ہے۔ ان میں سے 12 شجرۂ اخرب اور 12 شجرۂ اخرم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان دونوں شجروں میں بحرِ ہزج کے رکن اصلی کے کل 10 فروع استعمال ہوتے ہیں۔

مفعول سے شروع ہونے والے اوزان شجرۂ اخرب کے ہیں جبکہ مفعولن سے شروع ہونے والے اوزان شجرۂ اخرم سے ہیں۔ رباعی کا مقبول ترین وزن "**لاحول و لا قوۃ الا باللّٰہ**" ہے۔ ان ہی چوبیس اوزان میں سے رباعی کے چار مصرعے موزوں کیے جاتے ہیں۔ یہاں یہ بات روا ہے مختلف اوزان میں رباعی کہی جا سکتی ہے۔ اس کی مثال مرزا دبیر کی یہ رباعی ہے:

آدم نے شرف خیر بشر سے پایا   رشتہ ایماں کا اس گھر سے پایا
دو میمِ محمد سے جہاں روشن ہے   مضموں یہ دلِ شمس و قمر نے پایا

میرا مقصود رباعی کے اوزان پر بحث کرنا نہیں ۔البتہ یہ ضرور کہنا ہے کہ عروضی اعتبار سے رباعی مشکل صنفِ سخن ہے، جس کے باعث اردو اساتذہ اس سے گریزاں رہے ہیں۔ غالب جیسے استاد نے رباعی کے تیسرے مصرع میں ٹھوکر کھائی۔ علامہ اقبال کی جن دوبیتیوں کو رباعیات کے عنوان سے شائع کیا گیا ہے وہ اپنی ساخت اور مضامین کے اعتبار سے رباعیات نہیں بلکہ دوبیتیاں ہیں۔

رباعیات میں فنی و عروضی مہارت ہی کافی نہیں بلکہ خیال آفرینی اور سلاست و روانی کو برقرار رکھنا ہی اصل شاعری ہے۔ اگر رباعی شعری جمال سے آراستہ نہیں بلکہ صرف عروضی سانچے میں ڈھال کر تیار کی گئی ہے تو الفاظ اپنے اوپر ہونے والے جبر کا اظہار کرتے نظر آئیں گے۔ لہٰذا اسے یوں نہ سمجھا جائے کہ چوبیس اوزان کو یاد کر لینے سے رباعی کہنا آجاتی ہے۔ ایسا بالکل نہیں۔ شعری جمال اور رموزِ بیاں کے بغیر عروضی سانچے میں ڈھلے ہوئے چار مصرعے طبعِ لطیف پر گراں گذریں گے اور ذہین قاری کی بصارت پر بوجھ بنیں گے۔ رباعی اپنی ساخت میں چوبیس پچیس لفظوں کی آئینہ کاری ہے جس میں شاعر نے مہارت سے اپنے خیالات کا عکس دکھانا ہوتا ہے۔ یہ عکس اگر بلند و آسماں نشیں مضامین کا پیرہن نہ پہن سکے تو اس مشقِ سخن کو قافیہ کاری کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بات نظرانداز نہیں کی جا سکتی کہ رباعی فارسی شعرا کی ایجاد ہے اور انہوں نے ہی اس میں ایسے ایسے مضامین تراشے کہ دنیا کے ادبِ عالیہ میں اپنا مقام بنایا۔ عمر خیام کی یہ رباعی مثال کے طور پر پیش ہے:

در دہر کسے بہ گل عذارے نہ رسید — تا بر دلش از زمانہ خارے نہ رسید
در شانہ نگر کہ تا بہ صد شاخ نہ شد — دستش بہ سرِ زلفِ نگارے نہ رسید

غزل، نظم، مثنوی اور مرثیہ میں تو اردو شعرا نے آسمان کا قد ناپا ہے، لیکن یہی شعرا جب رباعی کا فیتہ اٹھا کر میدانِ سخن میں آتے ہیں تو ہمیں وہ چاشنی، وہ لوچ اور لہک نظر نہیں آتی جو فارسی شعرا کے ہاں پائی جاتی ہے۔ بلکہ دیکھا جائے تو ہمیں یہی لگتا ہے کہ اساتذہ صرف اور صرف اپنی مہارت کے اظہار کے لیے گاہے گاہے رباعی کہہ لیا کرتے تھے۔

مثلاً غالب نے بہادر شاہ ظفر کی جانب سے بھیجی گئی دال پر ایک رباعی کہہ دی، جس سے

ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے اساتذہ کے نزدیک رباعی کی کیا حیثیت تھی۔حالانکہ غالب اور دیگر اساتذۂ اُردو کو رباعی پر بھی اتنی محنت کرنی چاہیے تھی جتنی انہوں نے غزل پر کی۔

بھیجی ہے جو مجھ کو شاہِ جم جاہ نے دال ہے لطف وعنایاتِ شہنشاہ پہ دال
یہ شاہ پسند دال، بے بحث وجدال ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال

اب ہم زندہ کی رباعیات میں خیال آفرینی دیکھتے ہیں۔زندہ اپنے اشعار میں دار، آئینہ، شمس وقمر کو جب استعارہ کے طور پر لیتے ہیں تو حیرت افروز مضامین کو خیال و ہنر کا پیرہن عطا کرتے ہیں، کردار کی عظمت اور سچ بات کے لیے دار پر جھول جانے کو انسانی وقار کی علامت سمجھتے ہیں۔یہ رباعی دیکھیے:

سر عظمتِ کردار سے ہوتا ہے بلند سر جراتِ انکار سے ہوتا ہے بلند
یہ طُرہ و دستار کا محتاج نہیں سردار کا سر دار سے ہوتا ہے بلند

اردو رباعی کا مجموعی میلان پند ونصائح حکمت اور وحدت الوجودی مضامین ہی رہے ہیں۔محمد نصیر زندہ بھی ان ہی مضامین کو نئے زاویے اور نئے پہلوؤں سے نہ صرف آشکار کر رہے ہیں بلکہ نئے مضامین بھی پیدا کیے۔جو ان کی کامرانی کی بڑی دلیل ہے۔

رباعی کا یہ کوزہ گر اپنے خیالات کو جب فن اور مضامین کے چاک پر گھماتا ہے تو ایک تازہ کار رباعی ہم سب سے داد وتحسین کی مستحق نظر آتی ہے۔لیکن صد حیف کہ جدید رباعی کا کوزہ گر عہدِ کور چشماں میں آئینہ کاری اور آئینہ فروشی کر رہا ہے۔محمد نصیر زندہ کی چند رباعیات دیکھیے:

کیا حسنِ بے مثال پہنا ہوا ہے گلشن نے مرا جمال پہنا ہوا ہے
اس کی خوشبو سے میری سوچ اگتی ہے یہ گل نے میرا خیال پہنا ہوا ہے

❁

خورشید سوار اِسم کے پار اترا افلاک شکن طلسم کے پار اترا
طاؤس کے پیرہن تھے آواز کے رنگ میں ایک دن اپنے جسم کے پار اترا

❁

چہرے وہ کئی تنگ پہن لیتا ہے　　آئینہ کبھی سنگ پہن لیتا ہے
میں اس سے باہر جو نکلنا چاہوں　　وہ شوخ مرا رنگ پہن لیتا ہے

محمد نصیر زندہ رباعی کے پہلے مصرع میں قاری کو حیرت میں ڈالتے ہیں، دوسرے مصرعے میں اپنے خیال کو ارتقاد یتے ہیں، تیسرے مصرعے میں خیال کا اظہار یہ عشوہ گری دکھاتا ہے اور چوتھے مصرع میں ڈرامائی نتیجہ دیتے ہیں۔ ایسا جو قاری کو مزید حیرت و سرخوشی میں ڈال دیتا ہے۔ یہی خوبی ان کو رباعی نگاری میں ممتاز کرتی ہے۔ کربلا، امام حسین علیہ السلام اور حضرت علی علیہ السلام کے مناقب کے حوالے سے زندہ نے جو رباعیات کہی ہیں وہ ادب میں نئے در وَا کرتی ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کی منقبت میں کہی گئی یہ دو رباعیات دیکھیے:

قفلِ راز و نیاز کھل جائے گا　　مے خانۂ عرشِ ناز کھل جائے گا
جرعہ نہ پلا خُمِ علی کا ساقی　　بندے پہ خدا کا راز کھل جائے گا

❁

مرنے پہ مری برات رکھ دی اس نے　　تشنہ نگہِ حیات رکھ دی اس نے
میں نے کہا اسرارِ علی مجھ کو بتا　　سر پر مرے کائنات رکھ دی اس نے

سرمستی میں کہی ہوئی یہ رباعیات قاری کے دل و دماغ پر کسی دوسرے فکری و معنوی جہان کا در وا کرتی ہیں۔ اردو ادب میں کربلا کا استعارہ ہر شاعر نے اپنے اپنے ذوق اور رنگ سے استعمال کیا ہے۔ کربلا کے حوالے سے میر انیس اور مرزا دبیر نے شاید ہی کوئی مضمون ایسا ہو جسے شکار نہ کیا ہو۔ اس کے باوجود اردو شاعری میں ایسے کئی شعر مل جاتے ہیں جو کربلا کے کسی نئے زاویے اور پہلو کو روشن کر رہے ہوتے ہیں۔ جوش کی رباعی نے بہت شہرت حاصل کی، بالخصوص آخرے دو مصرعے زبان زدِ عام ہیں:

کیا صرف مسلماں کے پیارے ہیں حسین　　چرخِ نوعِ بشر کے تارے ہیں حسین
انسان کو بیدار تو ہو لینے دو　　ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسین

اب میں آپ کو کربلا، امام حسین علیہ السلام اور آپ کے جانثاروں کو خراجِ عقیدت پیش

کرتے ہوئے محمد نصیر زندہ نے جو رباعیات کہی ہیں ان کی جھلک دکھاتا ہوں۔ بلاشبہ یہ رباعیات رثائی ادب کا جاندار حوالہ ثابت ہوں گی:

تجدیدِ کہن فنا کی مٹی میں ہے　　تعمیرِ نو قضا کی مٹی میں ہے
وا ہوں گے نہاں خانۂ تخلیق کے در　　آدم ابھی کربلا کی مٹی میں ہے

آدم ابھی کربلا کی مٹی میں ہے، یہ زاویۂ فکر بالکل نیا، اور اچھوتا ہے مگر ایمان و حیرت افروز بھی ہے۔ ایسا خیال بغیر عطا کے ممکن نہیں۔

زندہ پر شہرِ علم در کی ایسی ایسی عطا ہے کہ اس پر وہ جتنا بھی شکر کریں کم ہی کم ہے۔ حضرت اصغر علیہ السلام لشکر امام حسین علیہ السلام کے سب سے کم سن سپاہی ہیں، آپ کی شہادت کو ایسا خراج شاید ہی اردو ادب میں ملے، اس رباعی کی تعریف سے الفاظ قاصر ہیں:

قلزم اذنِ گہر فشانی مانگے　　موجِ دریا تابِ روانی مانگے
مقتل میں رقصِ آرزو جاری ہے　　موت اصغرِ بے شیر سے پانی مانگے

''موت اصغرِ بے شیر سے پانی مانگے'' یہ فتح و نصرت کا ایسا فخر آفریں ناز ہے جس کا جواب نہیں۔

جن خیالات اور مضامین کو محمد نصیر زندہ قلم بند کر رہے ہیں اس کے لیے ریاضت ہی نہیں وسیع مطالعہ اور خلعتِ فقری پہننا بھی ضروری ہے کیونکہ رباعی کا مزاج اور پیمانہ ہی ایسا ہے کہ اس میں صوفیانہ اور آفاقی مضامین ہی سماتے ہیں۔ اردو ادب میں بہت کم رباعیات ایسی ہیں جو عشقیہ یا غزل کے مضامین دامن گیر کیے ہوئے ہوں اور اپنا شعری جمال بھی سنبھال پائی ہوں۔ زندہ کی یہ رباعی دیکھیے، جس میں محاورے کے استعمال نے فنی چابکدستی کے ساتھ ساتھ شاعر کی مشاہداتی قوت کا بھی رنگ دکھایا ہے:

چوٹی میں موتیا سجایا اس نے　　اونچی ایڑی سے قد بڑھایا اس نے
اک حشر سرِ بزم اٹھانے کے لیے　　زور ایڑی چوٹی کا لگایا اس نے

خیال کا ارتقا دیکھیے، اس رباعی میں اور پھر اس کا ڈرامائی نتیجہ۔ چوٹی بھی بنائی، اس

یہ موتیا بھی سجایا، اور پھر سرو قامت نظر آنے کے لیے مزید سامان یہ کیا کہ اونچی ایڑی والا جوتا بھی پہن لیا۔ حشر سامانی نے قیامت جگانے کے لیے جو اہتمام کیا اس کو چوتھے مصرعے میں شاعر نے جس خوبصورتی سے وا کیا ہے، یہ شعری مقام طویل ریاضت اور شعری جمالیات سے گہری شناسائی کا متقاضی ہے۔

جدید رباعی کا کوزہ گر اپنے فن کے چاک پر بلند مضامین وخیال کے رباعیانہ ظروف اٹھائے صدائیں دے رہا ہے، لیکن خریدار کم ہیں۔ اس خوش نصیب شاعر کی کم نصیبی یہ ہے کہ جب یہ اپنی جنس ہنر بازار لایا تو خریدار کی دلچسپی اعلیٰ مضامین وخیال کے بجائے انتہائی سطحی ادبی گرد وغبار تک رہ گئی ہے۔ اس ادبی دھند اور غبار میں ادبی خریدار کی آنکھ غبار کے اُس پار نہیں دیکھ پا رہی ہے۔ اسے ہر طرف صرف ادبی گرد ہی نظر آتی ہے اور گرد کو ہی خریدار اپنے ذوق کا سائبان سمجھنے لگا ہے۔ مجھے مگر یقین ہے کہ یہ گرد بہت جلد بیٹھ جائے گی۔ اس ادبی گرد کے اُس پار جدید رباعی کا کوزہ گر اپنے بلند قامت، خوش پوش وخوش خیال مضامین کے رباعیانہ ظروف لیے فاتحانہ مسکراہٹ سے ورد کر رہا ہوگا۔

میزان پر اک ایک گہر تولا ہے ہر بول قلم کی نوک پر بولا ہے
میں نے درِ گنجینۂ اسرارِ سخن اسمائے علی کے زور سے کھولا ہے

طاہر یاسین طاہر
کلر سیداں
۳۱ جولائی ۲۰۲۱ کی شام

عکس در عکس خیال کے پیرہن

انوارِ مصطفیٰ میں فنا ہو گیا ہوں میں
تقدیرِ لا الٰہ کی ادا ہو گیا ہوں میں

ہے ذہن میں خیالِ محمّد کی روشنی
آئینۂ جمالِ خدا ہو گیا ہوں میں

ہے روزنِ خیال میں وَالّیل کی کرن
نقش و نگارِ ارض و سما ہو گیا ہوں میں

میرے غرورِ عشق سے افلاک ڈرتے ہیں
دربارِ مصطفیٰ کا گدا ہو گیا ہوں میں

نعلین کا خیال تھا میرے دماغ میں
باغِ جہاں میں تاجِ ہما ہو گیا ہوں میں

میرے حضور جھک گئیں گردوں کی رفعتیں
دستِ قضا میں تیغِ خدا ہو گیا ہوں میں

مشتِ خیال میں رہے بردِ یمن کے رنگ
قوسِ قزح میں جلوہ نما ہو گیا ہوں میں

آیا خیالِ نقشِ کفِ پائے مصطفیٰ
آئینۂ ہجومِ ضیا ہو گیا ہوں میں

آگے ہے عقل سے نگہِ آرزو مری
اقلیمِ رنگ و بو سے جدا ہو گیا ہوں میں

❁

آسماں عرصۂ ناز کا سایہ ہے
یہ جہاں نکہتِ راز کا سایہ ہے

بے کراں موج زن نغمۂ کن فکاں
سایۂ نقش پرداز کا سایہ ہے

آئنہ خانۂ بزمِ بود و نبود
نزہتِ عکس انداز کا سایہ ہے

گلشنِ خلد میں چشمۂ سلسبیل
چشمِ رحمت کی آواز کا سایہ ہے

یہ عروسانِ گل پوش کی انجمن
خاکِ طیبہ کے اعجاز کا سایہ ہے

یہ گل و لالہ و یاسمین و سمن
جسمِ اطہر کے اعجاز کا سایہ ہے

فرشِ پا بوس ہے چادرِ کہکشاں
سورج آئینۂ ناز کا سایہ ہے

چشمکِ موجۂ برقِ طورِ کلیم
قابَ قوسین کے راز کا سایہ ہے

❁

میرے منظر غزال آنکھوں سے

زہر اکسیر کر رہا تھا میں
موت تسخیر کر رہا تھا میں

عدم آباد میں اندھیرا تھا
شمس تعمیر کر رہا تھا میں

عکس تصویر میں دہک رہا تھا
اس کو زنجیر کر رہا تھا میں

خواب تھا دیدۂ خیال میں جو
اسے تصویر کر رہا تھا میں

تشنۂ دید تھا ابھی وہ خواب
اس کی تعبیر کر رہا تھا میں

حسن تھا زیرِ سایۂ تصویر
عیبِ تشہیر کر رہا تھا میں

حرف کا پیرہن ابھی نہیں تھا
اس کی تقریر کر رہا تھا میں

نکتہ و حرف میں نہیں تھا وہ
اس کی تفسیر کر رہا تھا میں

زیرِ دام آفتاب آنے کو تھا
اور تاخیر کر رہا تھا میں

آرزو اس طرف خسارے میں تھی
اور تقصیر کر رہا تھا میں

گردشِ ماہ و سال ابھی نہیں تھی
عرصہ تعمیر کر رہا تھا میں

❁

دشتِ گماں غبارِ جنوں کا رقیب تھا
باہر سے شہرِ خواب کا منظر عجیب تھا

میرے ہزار جسم ہوئے خرچ دید میں
نظّارۂ خیال مگر بے نصیب تھا

شعلہ اچک لیا نگہٖ موجِ لمس نے
دل جل اٹھا کہ دیدۂ اخگر قریب تھا

تصویر تھی خیالِ مصوّر کا پیرہن
گل میں نگاہِ شوق دلِ عندلیب تھا

کشکول میں پڑی تھی غرورِ جنوں کی خاک
میرا فقیرِ عشق انا کا رقیب تھا

اتنا حَسِیں تھا جھوٹ کہ سچ رام ہو گیا
یعنی قلم فروش وطن کا ادیب تھا

۞

شمس دیدہ وری سے ڈرتا ہے
ہر دیا روشنی سے ڈرتا ہے

موت سے دوست داری ہے سب کی
ہر کوئی زندگی سے ڈرتا ہے

رہزنی میں فریب ہوتا نہیں
قافلہ رہبری سے ڈرتا ہے

شہر میں تیرگی بڑھی اتنی
آدمی روشنی سے ڈرتا ہے

نہیں آتا مری طرف دریا
شعلے کی تشنگی سے ڈرتا ہے

آئنہ دیکھنے کی تاب کسے؟
آدمی راستی سے ڈرتا ہے

❁

شوق کی تازگی نہیں جاتی
دل سے آوارگی نہیں جاتی

دلوں میں روشنی نہیں ہوتی
شہر سے تیرگی نہیں جاتی

دل میں کتنے فرات بہتے ہوں
عشق کی تشنگی نہیں جاتی

موت سے بڑھ کے دوستی کر لو
ہاتھ سے زندگی نہیں جاتی

سنگ دل آدمی ہو کیسا ہی
شیشے کی نازکی نہیں جاتی

مے میں ڈھل جاتے ہیں لبِ لعلیں
گلوں سے شعلگی نہیں جاتی

عمر بھر کا ہے فاصلہ اس تک
عمر بھر عاشقی نہیں جاتی

کسی کے غم سے دوستی کر لو
زندگی سے خوشی نہیں جاتی

سر کے جانے کا غم کرے کوئی کیوں
سر سے جب خود سری نہیں جاتی

شہرِ دل میں چراغ جلتا ہے
گاؤں سے روشنی نہیں جاتی

مطلعِ آرزو چمکتا ہے
سوچ سے چاندنی نہیں جاتی

آبلہ پا ہوں موجِ دریا میں
سوزشِ تشنگی نہیں جاتی

عشق ہے حسن زار کا سورج
ڈوبے تو روشنی نہیں جاتی

صورتِ آئنہ ہے وہ دل میں
دل سے حیرانگی نہیں جاتی

زندگی بھر ضرورتوں میں رہو
زندگی بھر کمی نہیں جاتی

۞

کہیں لا مکاں کو خبر کرو
مرے آشیاں کو خبر کرو

کسی اور جہاں کا پتہ نہیں
کسی اور جہاں کو خبر کرو

میں برنگِ شعلہ ہوں رقص میں
دلِ بے تپاں کو خبر کرو

میں قتیلِ موجۂ آرزو
غمِ جاوداں کو خبر کرو

مجھے آستاں کی خبر نہیں
مرے آستاں کو خبر کرو

میں ہوں گردشِ قدح و سبو
مرے آسماں کو خبر کرو

میں فریبِ جاں سے گزر گیا
مرے جانِ جاں کو خبر کرو

مری آرزو کو بیاں کرے
کسی بے زباں کو خبر کرو

کسی بےنشاں کا نشاں ہوں میں
کسی بے نشاں کو خبر کرو

مجھے منزلوں پہ نہ لے چلے
مرے سارباں کو خبر کرو

وہ کسی گماں میں نہ ہو کہیں
کسی بے گماں کو خبر کرو

کسی کہکشاں کی تلاش ہے
کسی کہکشاں کو خبر کرو

میں طلسمِ لالہ و گُل سہی
مرے باغباں کو خبر کرو

کسی جسم میں نہ اماں ملے
یہ فریبِ جاں کو خبر کرو

مجھے رازِ جاں نہ پتہ چلے
مرے رازداں کو خبر کرو

میں ہوں آسماں سے پرے ابھی
مری ارضِ جاں کو خبر کرو

مجھے رفعتوں نے گرا دیا
مرے کارواں کو خبر کرو

❁

نہ ابتدا کی بات کر نہ انتہا کی بات کر
بقا کے اختیار سے گذر، فنا کی بات کر

تو ہے اسیرِ خواب دیدۂ سراب میں کہیں
خیالِ خیمۂ حبابِ ہفت پا کی بات کر

مرا خیال ہے ڈھلا طلسمِ کائنات میں
تصورِ دل و نگارِ دل ربا کی بات کر

ہے صورتوں سے آئنہ در آئنہ حجاب سا
حضورِ باز گشت عکسِ ماسوا کی بات کر

جہاں ہوں میں وہاں نہیں،مگر ہوں میں کہاں نہیں
یہاں بھی لا کی بات کر، وہاں بھی لا کی بات کر

کوئی فراق میں جئے، کوئی وصال میں مرے
نہ اِس جفا کی بات کر، نہ اُس جفا کی بات کر

اسے نگاہِ تیغۂ زباں کی نوک پر نہ رکھ
حریمِ ناز میں کرشمہ و ادا کی بات کر

عصائے نور لے کے کاروانِ کہکشاں چلا
ہجومِ شوق میں دیارِ نا رسا کی بات کر

میں ہجر کے وصال میں، مِرا وصال ہجر میں
وصالِ یار میں فراق آشنا کی بات کر

گمانِ ظلمتِ غبارِ آفتاب سے نکل
کبھی چراغِ سایۂ گریز پا کی بات کر

حیات میں کمال ہے وہی زوال ہے جسے
متاعِ جاں نشاطِ درد آشنا کی بات کر

بہشت بندِ جاوداں، حیاتِ دہر الاماں
عذابِ نا سزا و قیدِ نا روا کی بات کر

کبھی انھیں بھی دیکھ پھول جو کھلے ہیں راہ میں
کبھی کرشمۂ خرامِ گُل قبا کی بات کر

۞

شور ہے رقصِ جنوں کا کہکشاں کی اُس طرف
کاروانِ آرزو ہے آسماں کی اُس طرف

خاک اڑتی ہے فریبِ آرزو کے دشت میں
لامکاں کا شہر ہے میرے مکاں کی اُس طرف

ہو گزر کیسے خیالِ کوچۂ تصویر سے
سر بریدہ ہوں بہشتِ جاوداں کی اُس طرف

بے کراں عکسِ غبارِ نور ہے میرا وجود
ہے جہانِ تازہ عکسِ بے کراں کی اُس طرف

بولتا ہے مرغِ اندیشہ لبِ تصویر سے
روزنِ حیرت ہے دیوارِ گماں کی اُس طرف

رقص کرتا ہے حصارِ شمع میں شعلہ مِرا
پھرتا ہوں میں آفتابِ ضو فشاں کی اُس طرف

اِس طرف ہوں میں رخِ آئینۂ قوسِ قزح
دیدنی ہے میرا منظر اِس جہاں کی اُس طرف

عکس پڑتا ہے کسی کا جسم کے آئینہ پر
موج زن ہے آبگینہ کوئی جاں کی اُس طرف

ہو گیا ہوں خواب زارِ بے اماں میں لا پتہ
دیدۂ تعبیر ہے موجِ گماں کی اُس طرف

فاصلہ دشتِ گماں کا درمیاں رکھّا گیا
میں گماں کی اِس طرف ہوں وہ گماں کی اُس طرف

ناچتا ہے سایۂ نقشِ تحیّر میں وجود
سر بکف ہوں میں حریمِ جاں ستاں کی اُس طرف

سایۂ نورِ تصوّر میں دو عالم پلتے ہیں
سائباں ہے یہ دیارِ لا مکاں کی اُس طرف

ہے دھواں رقصِ تماشا میں مصوّر کا خیال
پردۂ موجِ طلسماتِ جہاں کی اُس طرف

❁

آئینۂ خیالِ بتاں سے نکل چلو
اے صورتِ خیال گماں سے نکل چلو

میں تیر سے کہوں کہ کماں سے نکل چلو
شعلہ بہ شعلہ شمعِ زباں سے نکل چلو

طرفہ شکن ہے خیمۂ دل کی طناب میں
ارماں سے کہیے چشمِ فغاں سے نکل چلو

تعمیر ہو رہی ہیں مری لامکانیاں
تم آسماں! صحنِ مکاں سے نکل چلو

زیبا نہیں حسینۂ معنی کا پیرہن
میری سنو تو حرفِ بیاں سے نکل چلو

شعلہ نگاہ شعلہ بدن شعلہ پیرہن
اے شعلہ زار خیمۂ جاں سے نکل چلو

پائے گماں سے فاصلۂ دشتِ خواب زار
طے کر سکو تو قیدِ زماں سے نکل چلو

عکسِ فریب میں نہ رہے نقشِ آرزو
اتنے قریب آؤ کہ دھیاں سے نکل چلو

یزداں کا پردہ چاک ہو ذوقِ نمود سے
ایسا کرو کہ رازِ نہاں سے نکل چلو

یہ پیچ و تاب پاؤں کی زنجیر بن گئے
گردابِ وہم و موجِ گماں سے نکل چلو

شیشے کے درمیاں ترا منظر ہے سرسری
اے صورتِ نگار یہاں سے نکل چلو

شُبہہ طراز عکس پر آئینہ بول اٹھا
نظّارۂ فریبِ بتاں سے نکل چلو

اے تاج ور حسینہ ترا رنگ کھو گیا
نقش و نگارِ بزمِ جہاں سے نکل چلو

❁

مرے گِرد آفتاب پھرتا ہے
آسماں ہم رکاب پھرتا ہے

میرے بحرِ خیال میں عالم
مثلِ جامِ حباب پھرتا ہے

دیدۂ نقش کس کا حیرتی ہے
آئنہ بے حجاب پھرتا ہے

پیرہن میں دہک رہا ہے بدن
شعلہ زیرِ نقاب پھرتا ہے

عکس در عکس جام و ساغر میں
رُخِ آئینہ تاب پھرتا ہے

لب و رخسار کی تجلّی میں
انعکاسِ حجاب پھرتا ہے

جھومتے ہیں ستارے اُس کے ساتھ
رقص میں ماہتاب پھرتا ہے

جس طرف وہ رخِ نگہ کر دے
اُس طرف آفتاب پھرتا ہے

اُس کے لمسِ خیال سے رقصاں
آئنہ زارِ خواب پھرتا ہے

قطرہ قطرہ مسافتوں میں اسیر
آبلہ پا حباب پھرتا ہے

صورتیں ہیں نئی نئی اُس کی
صورتوں میں سراب پھرتا ہے

وہ جو رُخ سے اُلٹ رہے ہیں نقاب
لوٹتا آفتاب پھرتا ہے

❁

فتنے جو اُس کی چال پر جھوم اٹھے
دل حُسنِ پائمال پر جھوم اٹھے

رنگ اُس کے لمس سے مہکتے جائیں
گُل بوٹے اُس کی شال پر جھوم اٹھے

خلخالِ نہاں خانۂ گرداب تھا میں
دریا رقصِ خیال پر جھوم اٹھے

تابِ تخلیق سے گذرنا تھا مجھے
ناداں مرے زوال پر جھوم اٹھے

میں بول اٹھوں جو اٹھ کے روزِ محشر
یزداں مری قیل و قال پر جھوم اٹھے

میں رقص کناں چاند ستاروں میں تھا
یہ ذرّے میرے حال پر جھوم اٹھے

میں ایک نظر سے جو اشارہ کر دوں
سورج مرے اشتعال پر جھوم اٹھے

جو عرصۂ دید میں ابھی آئے نہ تھے
وہ خواب مرے خیال پر جھوم اٹھے

وہ لالہ و گُل پہن کے باہر آیا
شعلے عکسِ جمال پر جھوم اٹھے

کچھ آنسو حسرتِ گنہ چاٹ گئی
کچھ شورشِ انفعال پر جھوم اٹھے

یہ سر پہ جو رکھ رہے ہو دستارِ کمال
طرّہ نہ کہیں زوال پر جھوم اٹھے

ڈھل جائیں نہ ہستی کے فریبوں میں کہیں
اندیشے احتمال پر جھوم اٹھے

جو نقش مرے آئینۂ ادراک میں تھے
وہ گردشِ ماہ و سال پر جھوم اٹھے

میں مر کے ہُوا دیدۂ معشوق کا نور
عشاق مرے وصال پر جھوم اٹھے

گمان تھا خیال تھا نہ یہ کیا نہ وہ کیا
نہ وجد تھا نہ حال تھا، نہ یہ کیا نہ وہ کیا

جو خار ہی نہ سہہ سکے وہ کیا گُلوں میں رہ سکے
فراق تھا وصال تھا، نہ یہ کیا نہ وہ کیا

نہ داستاں سنا سکے نہ راز ہی بنا سکے
فریبِ قیل و قال تھا نہ یہ کیا نہ وہ کیا

نشانِ کارواں رہے نہ اوجِ آسماں رہے
عروجِ پائمال تھا نہ یہ کیا نہ وہ کیا

سرابِ کج کلاہی میں عذابِ پارسائی میں
کمال کا زوال تھا نہ یہ کیا نہ وہ کیا

نہ اپنے ہی قریں گئے نہ گھر سے ہم کہیں گئے
حضورِ احتمال تھا نہ یہ کیا نہ وہ کیا

دہک رہے تھے جام بھی عذارِ لالہ فام بھی
نہ دیکھنا محال تھا نہ یہ کیا نہ وہ کیا

قریب وہ نگار بھی وہ حسن آشکار بھی
غرورِ انفعال تھا نہ یہ کیا نہ وہ کیا

نہ خود سے ہم ملے کبھی نہ زخمِ جاں سلے کبھی
طلسمِ ماہ و سال تھا نہ یہ کیا نہ وہ کیا

اُسے نہ دل میں لا سکے نہ آنکھ میں سجا سکے
وہ خواب تھا خیال تھا نہ یہ کیا نہ وہ کیا

جگر کو چھید کر خلش کو دیکھتے کرید کر
عذابِ اندِمال تھا نہ یہ کیا نہ وہ کیا

جو خود کو دیکھتے تو اُس سے آگے سوچتے
خیال بھی نڈھال تھا نہ یہ کیا نہ وہ کیا

میں دوست سے ملا نہیں رقیب سے گِلا نہیں
مسافتوں کا جال تھا نہ یہ کیا نہ وہ کیا

❁

دیدۂ راز ہیں نا گفتہ اشاروں نے کہا
گفتۂ رمز ہیں نادیدہ نگاروں نے کہا

معجزہ دُود کا ہے دائرۂ نقشِ طراز
شعلۂ بود سے نابود شراروں نے کہا

تشنۂ موجۂ گرداب ہیں کشکولِ حباب
وسعتِ بحر سے آشفتہ غباروں نے کہا

آؤ افلاک کو دیں شورشِ آدم کا جنوں
دل کی آواز پہ لبیک ستاروں نے کہا

دیدۂ عکس کی تمثیل میں ڈھل جائیں گے
محشرِ دید کے بے تاب نظاروں نے کہا

❁

شیشۂ فانوس حائل ہے رخِ تنویر میں
پیرہن کا سایہ ہے تصویر کی تصویر میں

اُس نے رکھا ہے کرن کی قید میں سورج مرا
دیدہ ور ہیں لاکھ منظر حلقۂ زنجیر میں

منظروں میں عکس در عکس آتی ہیں عریانیاں
ناچتا گاتا چلوں آئینۂ تصویر میں

ٹال دیتا ہے قلندر گردشِ ایام کو
کھینچتا ہے آسماں کو عشق کی زنجیر میں

کھلبلی سی مچ گئی اُس کی نگاہِ ناز سے
حشر کی طغیانیاں ہیں موجۂ شمشیر میں

ساغر و مینا اچھلتے ہیں برستی ہے شراب
رقص ہے تقدیر کا دیوانے کی تقصیر میں

لایا ہوں شمس و قمر تارِ مژہ میں ٹانک کر
شورِ دار و گیر اٹھا ہے آنکھ کی تقریر میں

رقص کی پازیب ہے شام و سحر کی آرزو
پاؤں ہے تدبیر کا تقدیر کی زنجیر میں

ثبت ہے قرطاس پر نقشِ سرودِ زندگی
رنگِ حیرت بولتا ہے بلبل کی تصویر میں

وقت کی دیوار سے آگے نکل کر دیکھنا
جھانکتا ہے آدمی اندیشۂ تصویر میں

❁

اندیشۂ تعبیر تو ششدر میں پڑا تھا
اور خواب کہیں دیدۂ اختر میں پڑا تھا

موجوں سے حبابوں کی انا جاگ اٹھی تھی
انکار کا گرداب سمندر میں پڑا تھا

تھا روزنِ دیوار سے نیرنگِ تماشا
آشوبِ تحیّر نگۂ در میں پڑا تھا

ساحل سے بغل گیر مری موجِ نظر تھی
میں دیدۂ گرداب کے اخگر میں پڑا تھا

وہ برق کے سائے میں مجھے ڈھونڈ رہے تھے
میں غلغلۂ شورشِ محشر میں پڑا تھا

جو شیشہ و ساغر میں اُچھل کود رہا ہے
وہ اشک مرا موجۂ کوثر میں پڑا تھا

عشّاق لیے ہاتھ پہ سر ناچ رہے تھے
کس زور کا رن عشق کے لشکر میں پڑا تھا

سورج کی کرن بن گیا ہے تارِ تخیّل
معشوق کے آویزۂ گوہر میں پڑا تھا

تھا ایک طرف عرصۂ رخسارِ تمنا
سو لاکھ جہاں ایک طرف سر میں پڑا تھا

مشکل تھی مری تیشۂ فرہاد سے دریافت
میں اور کسی دشت کے پتھر میں پڑا تھا

❁

رستے کا گزر جفاؤں میں رکھ دینا
منزل کا دیا ہواؤں میں رکھ دینا

تھرّا جائیں گے آسماں کے در و بام
انکار کا ڈر خلاؤں میں رکھ دینا

اڑ جائیں گے چاند ستاروں کے ہوش
شبیر کا غم فضاؤں میں رکھ دینا

کہسار کے پاؤں بھی سرک جائیں گے
دستار کا بار اناؤں میں رکھ دینا

ہو گی تقلید کے اندھیروں کو شکست
سچ کا دیا کربلاؤں میں رکھ دینا

ساقی کا جام الٹا پڑا تھا بدن کے پار
تھا کاسۂ حباب میں دریا بدن کے پار

سیراب کر رہا تھا میں اُس کے بدن کا پھُول
اور جل رہی تھی شاخِ تمنا بدن کے پار

خوشبو سسک رہی تھی گل نا شگفتہ میں
شبنم کا آنسو کانپ رہا تھا بدن کے پار

اُس کی طرف ہے میرے شبستاں کا آئنہ
ہے موجِ دُود رنگِ تماشا بدن کے پار

بوسے سُلگ رہے ہیں تمنّا کے جسم میں
ساغر ہزار لب سے ہے پیاسا بدن کے پار

وہ دیدۂ گماں میں نسیمِ سحر کا خواب
یعنی کہ چل رہا ہے دل آرا بدن کے پار

کاشانۂ خیال میں ہے نقشِ پا کا پھول
گویا دمک رہا ہے ستارا بدن کے پار

خوشبو برس رہی تھی یہاں پھول پھول میں
میں اُس کو بیٹھا سوچ رہا تھا بدن کے پار

ایسا ہوا کہ سوچ کی دیوار گر گئی
ملبہ پڑا ہے سوچ کا سارا بدن کے پار

میرے ہزار جسم تھے میری تلاش میں
میں نے سراب اور تراشا بدن کے پار

۞

بے رنگ و بے کراں ہے مرا دوسرا وجود
سورج کا سائباں ہے مرا دوسرا وجود

شہرِ جمالِ نُور ہے میرے حصار میں
آغوشِ لامکاں ہے مرا دوسرا وجود

عکسِ نمود دُودِ گماں سے ہے رونما
آئینۂ گماں ہے مرا دوسرا وجود

شاید وہ اس جہاں سے آگے کہیں ملے
میری طرف رواں ہے مرا دوسرا وجود

دیوار و در تک آ رہا ہے روشنی کا لمس
شاید کہ بے اماں ہے مرا دوسرا وجود

شعلہ ہے رقص کرتا ہوا چشمِ خواب میں
شعلے کے درمیاں ہے مرا دوسرا وجود

میں کیسے دیکھتا قدم اپنا گماں کے پار
منظر میں جاوداں ہے مرا دوسرا وجود

❁

واسطہ درمیان پڑتا ہے
راستہ درمیان پڑتا ہے

ہے سمندر سے فاصلہ دم بھر
بلبلہ درمیان پڑتا ہے

دو بدو خود سے ملنا سہل نہیں
آئنہ درمیان پڑتا ہے

معجزہ رونما نہیں ہوتا
حادثہ درمیان پڑتا ہے

منزلوں کا نشاں ہے زیرِ قدم
فاصلہ درمیان پڑتا ہے

۞

فردوس و ارم رختِ سفر میں پڑے ہیں
آفاق مری راہ گزر میں پڑے ہیں

میں تو ہوں حریمِ کن فکاں سے باہر
نظارے مرے شمس و قمر میں پڑے ہیں

افکار میں ہے چاند ستاروں کا ڈھیر
افلاک کئی دستِ ہنر میں پڑے ہیں

ہوں گے کسی انسان کی دریافت سے کم
جو فاصلے نُور اور بشر میں پڑے ہیں

ہیں دشتِ خواب زاد میں شمس و قمر
یہ ذرّے خیال کے سفر میں پڑے ہیں

میں گردشِ ماہ و سال سے باہر ہوں
افلاک مری گردِ سفر میں پڑے ہیں

آنکھوں میں ہزار ہیں شموس اور نجوم
یہ ذرے مرے روزنِ در میں پڑے ہیں

دیکھو تو ہوا نکال کے پھوڑ کے سر
قلزم کئی بلبلے کے سر میں پڑے ہیں

آنکھوں میں دہک دیدۂ اخگر کی ہے
انگارے مرے کاسۂ سر میں پڑے ہیں

❁

مقسومِ کائنات کا پیمانہ بھر گیا
اک لمحہ تھا کہ موجِ نظر سے گزر گیا

یہ پھول دیدہ ہائے چمن سمجھا ہے جنھیں
گل دستۂ خیالِ تمنا بکھر گیا

قحطِ ضمیرِ لوح و قلم ہو گیا ادیب
منصورِ حرف سچ کی گرانی سے مر گیا

خورشید و ماہ جھوم پڑے اس کی چال پر
وہ لڑ کھڑا پڑا تو زمانہ ٹھہر گیا

آدابِ مفلسی نے کیا قتلِ آرزو
آنکھوں میں بھوک آئی تو ذوقِ نظر گیا

نادیدہ خواب تھے کئی چشمِ حباب میں
دُودِ نقوشِ موجِ گماں بے خبر گیا

❁

تاریک اجالوں کی مدارات نہ کرنا
اے شب زدہ سورج سے کوئی بات نہ کرنا

قانون کسی جبر کا اندازِ ستم ہے
سر عدل کی دہلیز پہ خیرات نہ کرنا

آفاق کی منزل میں بھٹک جاؤ کے ہر سُو
خوشبو کا ہنر صرفِ خیالات نہ کرنا

افلاس کی تقدیر میں فردا نہیں ہوتا
آدابِ جنوں واصل جذبات نہ کرنا

آئینہ فریبی میں ہے ہر نقش مزین
آئینہ فریبوں سے ملاقات نہ کرنا

❁

زندگی رائگاں کا فاصلہ تھا
عارضی درمیاں کا فاصلہ تھا

نہیں تھا بے یقیں مرا ہونا
کہ یقیں سے گماں کا فاصلہ تھا

مری دھوپ آخری پڑاؤ میں تھی
گام زن سائباں کا فاصلہ تھا

اِس طرف ایک لمحہ تھا حائل
اُس طرف دو کماں کا فاصلہ تھا

آبلہ پا تھی بلبلے کی نظر
آب سے بادباں کا فاصلہ تھا

نہ ہُوا پاؤں سائے سے باہر
سایہ بھر آشیاں کا فاصلہ تھا

وہم کے حجرے میں نہیں تھا کوئی
خواب میں رائگاں کا فاصلہ تھا

تھک گئے تھے مسافتوں کے قدم
راستہ جاوداں کا فاصلہ تھا

۞

رقصِ نظارہ کا پہلو کوئی کامل نہ رہا
”جام و مینا نہ رہے ساقئ محفل نہ رہا“

شہر کے دشت میں روپوش ہوئے اہلِ جنوں
تشنۂ ناز و ادا دیدۂ قاتل نہ رہا

آرزو کا قدم آشوبِ تحیّر میں غرق
آرزو کا سفر آرائشِ منزل نہ رہا

روح کو چاٹ گئی جلتے ہوئے جسم کی بھوک
آدمی معرفتِ عشق کے قابل نہ رہا

عاشقی مذہبِ انکار سے غافل ٹھہری
عشق کے کفر کا انسان بھی قائل نہ رہا

وصل کے دہر میں ایجاد ہوئے مے خانے
زہر کا گھونٹ مئے ہجر میں شامل نہ رہا

آنکھ سے آج ہوئے دید کے ساماں رخصت
عرصۂ رقصِ تماشا سرِ محمل نہ رہا

لذتِ جسم سے ہے قافلۂ حسن نڈھال
صاحبِ عشق کوئی صاحبِ منزل نہ رہا

مشکلیں عقدہ کشائی کا ہنر دیتی ہیں
نہ ہوا سہل وہی کام جو مشکل نہ رہا

۞

مئے نشاطِ غمِ آرزو نہیں تھا میں
کہاں سراب تھا میں جب سبو نہیں تھا میں

مرا قلم تھا عدو کی بغاوتوں میں شریک
نہیں ہے یہ کہ نصیبِ عدو نہیں تھا میں

حجابِ عکس میں ہوتی نہ بلبلے کی آنکھ
شرارِ آئنۂ آب جو نہیں تھا میں

بھٹک رہی تھیں ہوائیں مرے تعاقب میں
غبارِ رہگزرِ جستجو نہیں تھا میں

نقابِ شعلۂ خوشبو نہیں تھا اُس کا بدن
مثالِ لالہ و گُل سرخرو نہیں تھا میں

نگارِ جاں نہ ہوا سائبانِ موجۂ رنگ
کہ مشتِ خاک میں چشمِ سبو نہیں تھا میں

فریبِ زُہد شکن تُو نہیں تھا تار بہ تار
کہ پیرہن میں ترے تار و پُو نہیں تھا میں

❁

کلبۂ خاک آسماں نہ ہوا
قریۂ خواب رائگاں نہ ہوا

ہو گیا ہجر میں وصالِ جاں
سایۂ جسم درمیاں نہ ہوا

میرے باہر تھا کوئی آدمی اور
میرے اندر وہ بے کراں نہ ہوا

میری مرضی کا وہ جہاں نہیں تھا
میری مرضی کا یہ جہاں نہ ہوا

ہیں مہ و مہر و مشتری باہر
اپنے اندر بھی میں نہاں نہ ہوا

دیدۂ عکس میں تھا ذوقِ نمود
لمعۂ رنگ بے نشاں نہ ہوا

ملتا ہے مجھ سے ایک دوسرا شخص
مہرباں ہے کہ مہرباں نہ ہوا

سایۂ آرزو تھا چار قدم
دو قدم سایۂ گماں نہ ہوا

پیرہن کے نقوش بولتے ہیں
شعلۂ حسن بے زباں نہ ہوا

تنگ تھا وسعتِ نظارہ سے
آسماں میرا آشیاں نہ ہوا

حسن معشوق میں ہوا ظاہر
خوابِ نادیدہ بے اماں نہ ہوا

خاک میں آفتاب تھا کوئی
آسماں اُس کا سائباں نہ ہوا

❁

صنم قبائے بدن سے نکل گئے ہوں گے
رُخِ نگاہ کے منظر بدل گئے ہوں گے

تمھارے غم میں نہیں دردِ نا شکیبائی
تمھارے خواب کے آفاق جل گئے ہوں گے

مرے خیال کا ہے زمہریری آئینہ
تمھاری دھوپ کے سائے پگھل گئے ہوں گے

مرے خرابے حقیقت طرازِ دیر و حرم
مرے حریم میں لات و ہبل گئے ہوں گے

غبارِ رہگزرِ پائے ناز اڑتا ہے
زمیں کے پاؤں میں گردوں کچل گئے ہوں گے

نشورِ جذبۂ ہمت فروشِ منزل ہوں
مرے حرم میں ابد اور ازل گئے ہوں گے

فروغِ شعلۂ لالہ عذار کے منظر
چمن چمن ترے رُخ سے پھسل گئے ہوں گے

امانتیں مرے اجداد نے اٹھائی ہوں گی
ہنسی اڑانے سپہر و جبل گئے ہوں گے

۞

صحیفۂ مہ و پرویں سے اختلاف کرو
حبابِ خیمۂ افلاک میں شگاف کرو

جہاں میں کعبۂ نا آفریدہ حرف ہوں میں
سخن ورانِ فن آؤ مرا طواف کرو

وہ آنکھ پھوڑ دو جس میں عروسِ خواب نہیں
یہ جنگ مفلسِ بے خواب کے خلاف کرو

۞

نمودِ زیست ہے موجِ سراب کی تشنہ
کہ ہے ہوائے نمائش حباب کی تشنہ

جلالِ نخوتِ عورت جہاں ہو شوہر زاد
وہ کِشتِ فکر نہیں انقلاب کی تشنہ

یہ ہے کثافتِ آئینۂ سبو کا علاج
نہیں ہے آتشِ صہبا عذاب کی تشنہ

❁

غلبۂ جراتِ احساس کا فن مانگتے ہیں
دوست مجھ سے مرا اندازِ سخن مانگتے ہیں

سچ کے شہرِ آشوب میں رہ سکتے نہیں
کم نظر مرتبۂ دار و رسن مانگتے ہیں

بزمِ خاور میں سما سکتے نہیں برف کے جسم
پیرہن ہائے جنوں شعلہ بدن مانگتے ہیں

بلبلے شورشِ گرداب میں جاتے ہیں کچل
آہنی عزم میں جذبات کفن مانگتے ہیں

چاہیے سرخی انھیں رنگِ حنا باختہ سے
لاشۂ حرفِ سخن زاغ و زغن مانگتے ہیں

❁

دیارِ جنوں کی ہوا مختلف ہے
کہ عشوہ گروں کی ادا مختلف ہے

نہیں تشنۂ عشق جام آرزو کا
مرے عہد کی کربلا مختلف ہے

یہاں کند ہیں چشم و ابرو کے خنجر
مرے شہر کی ابتلا مختلف ہے

شبِ وصل ہے لذّتِ ہجر کا غم
محبت کا یہ سلسلہ مختلف ہے

ہے عریانیٔ حسن کا پیرہن اور
مگر عشق کا مدّعا مختلف ہے

سخن در سخن ہے عروضِ تمنا
غزل در غزل قافیہ مختلف ہے

❁

گرد کا سائباں نہیں ہوں میں
قریۂ آسماں نہیں ہوں میں

میری وسعت میں لی خدا نے پناہ
گوشۂ بے اماں نہیں ہوں میں

ہانکتا ہوں ستاروں کے ریوڑ
ذرّۂ کہکشاں نہیں ہوں میں

ہوتا ہوں بدگمانیوں سے طلوع
مطلعِ بے گماں نہیں ہوں میں

جیسے ہے آفتاب پانی میں
میں وہاں ہوں، جہاں نہیں ہوں میں

غم نگر عاشقی سے خالی ہے
یہ جہاں آدمی سے خالی ہے

قافیہ تنگ ہے غزل کا مگر
پیرہن شاعری سے خالی ہے

صورتِ آئنہ نہیں کوئی
آدمی آدمی سے خالی ہے

پیسے کا معجزہ بھی جیب میں رکھ
راستہ راستی سے خالی ہے

جسم کی قید میں ہے عشق کا چاند
یہ دیا روشنی سے خالی ہے

بحر پی جائے سرنگوں ہو کر
بلبلہ تشنگی سے خالی ہے

❁

عذابِ طرفہ نظر کے مکان اُگ رہے ہیں
حریمِ خاک سے کج آسمان اگ رہے ہیں

خدا نما ہو رہے ہیں جو اہرمن پیدا
بشر کے وہم گزیدہ گمان اگ رہے ہیں

صریرِ خامۂ تقدیرِ کن فکاں ہوں میں
مری اذان سے تازہ جہان اگ رہے ہیں

یہ سحر کار مشینوں کے برق پاش دماغ
مزاحمت کے نئے آسمان اگ رہے ہیں

صبا نے کیا گلوں کے کان میں فسوں پھونکا
بغاوتوں کے چمن میں نشان اگ رہے ہیں

سبو میں گیسوؤں کی جگمگا رہی ہے کرن
اندھیرے روشنی کے درمیان اگ رہے ہیں

حبابِ آبلہ پا کے ہیں سر کشیدہ خیام
مری مسافتوں کے بادبان اگ رہے ہیں

❁

یہ جسم مت اتاریے کمبل میں گھومیے
فتنہ سوار شہر کے جنگل میں گھومیے

چکھ لیجیے بس ایک نظر دل کا حوصلہ
جب بھی کسی حسینہ کے مقتل میں گھومیے

لیں داخلہ بھی جامعۃ العشق میں حضور
پھر حُسنِ دل فریب کے دنگل میں گھومیے

ہے دیدۂ خیال پر آئینۂ حجاب
عینک اتاریے کسی اور پل میں گھومیے

یزداں کو دیجیے نئے آدم کا مشورہ
افسونِ ما و طین کی دلدل میں گھومیے

کر کے نگاہِ حسن کو مقتولِ آرزو
خوابِ نگارِ وقت کے آنچل میں گھومیے

❁

دیارِ شمس و قمر کی حیات خرچ ہوئی
جمالِ یار میں یہ کائنات خرچ ہوئی

افق میں ڈوب گیا دیدۂ سبو کا چاند
نشاطِ غم میں اماوس کی رات خرچ ہوئی

❁

زمیں کے خواب چشمِ لالہ و گل میں ہمکتے ہیں
کہ دیوارِ گلستاں سے پرے شعلے لپکتے ہیں

کرن عریانیوں کی کروٹیں لیتی ہے پہلو میں
سبوئے دیدہ کی تصویر میں بوسے دہکتے ہیں

مری لوحِ تخیّل پر حسینہ رقص کرتی ہے
ستارے روزنِ افلاک سے آنکھیں جھپکتے ہیں

تصوّر ناچتے ہیں آئنہ در آئنہ اُس کے
ہجومِ دید کے منظر سے دشت و در چمکتے ہیں

سلگتے اور سسکتے ہیں سرابِ جسم کے صحرا
حریمِ لمس کی پاتال میں ساغر جھلکتے ہیں

خوشا اے دیدہ و دل مرحبا اے ساغر و مینا
خروشِ آرزو کے آئنہ خانے دمکتے ہیں

۞

خامشی گفتگو سے ڈرتی ہے

عاشقی آبرو سے ڈرتی ہے

موت کو دلبری نہیں آتی

زندگی آرزو سے ڈرتی ہے

❁

وسوسہ پُر ملال پھرتا ہے

وہم ہر سُو نڈھال پھرتا ہے

آرزو کو تلاش ہے میری

آبلہ پا خیال پھرتا ہے

❁

قرۃالعین طاہرہ فاطمہ زرّیں تاج

قطرہ بہ قطرہ یم بہ یم موجۂ عشق کا سبو
شہر بہ شہر کو بکو دیدۂ تر کی آب جُو
لالہ بہ لالہ موجِ رنگ شعلہ بہ شعلہ آرزو
تیرے جنوں کا شور ہے قریۂ کائنات میں
شورشِ ماہ و شمس ہے بزم گہٗ حیات میں
غلغلہ ہے صنم صنم عرصۂ سومنات میں
کاسۂ خاک ریز میں تیرے شرار کی نمو
لالہ فشاں چمن چمن رقص کناں سبو سبو
گردشِ صبح و شام میں تیرے لہو کی روشنی
جلوہ فروش چار سُو، قریہ بہ قریہ کو بہ کو

تیری نظر کا اضطراب قطرہ بہ قطرہ موج زن
تیرے فسوں کا آفتاب،ذرہ بہ ذرہ در شکن
نغمۂ ہر زماں ہے تُو رقص گہِ وجود میں
کاہکشانِ عشق میں گردِ نبود و بُود میں
سازِ نوا فلک شکن رازِ نوا زمیں شگاف
برقِ نظر ستارہ سوز دستِ ہنر قمر تراش
تیرا گزر کرن کرن تیرا سفر صبا صبا
تازہ خرامِ فکر سے تیری حیات زمزمہ
موجِ نمود دم بہ دم نقش طراز رم بہ رم
جوش و خروشِ بلبلہ باد بہ باد نم بہ نم
تیرے لہو نے خاک میں کیں چمن آفرینیاں
غنچہ بہ غنچہ گل بہ گل لالہ بہ لالہ بو بہ بو
تیرا لہو رواں دواں دشتِ جنوں کی پیاس میں
دجلہ بہ دجلہ یم بہ یم چشمہ بہ چشمہ جُو بہ جُو
تیرے سبو کا اک شرر میرے سبو تک آئے تو
شرح دہم غمِ ترا نکتہ بہ نکتہ مُو بہ مُو

فروغ فرخ زاد

طلسمِ دیدۂ شمس و قمر میں خواب زدہ
حبابِ خیمۂ آشوب میں سراب زدہ
مرے گناہ ہیں تازہ بہ تازہ رنگ برنگ
مری بغاوتوں کے اہرمن ہیں معجزہ کار
عبادتوں کے گنہ گار ہیں خدا کے رقیب
مرے وجود کے منکر مری نظر کے اسیر
دیارِ معرکۂ بود میں نبود کا غم
مرا ہجوم ہے جادہ بہ جادہ سنگ بہ سنگ
فنا کے قافلے زنجیرِ وہم میں رقصاں
حریمِ جسم میں کوئی حسینہ جام بہ کف

انا کی روشنیاں لمس میں جلاتی ہوئی
غرورِ شمس کے دیوار و در گراتی ہوئی
فریبِ حُسن کا صحرا سمیٹ لیتی ہے
حجابِ موج میں دریا لپیٹ لیتی ہے
عذابِ وصل سے مجھ کو تھکا دیا اس نے
لبِ عطش سے سمندر جلا دیا اس نے

❁

پروین شاکر

لیلائی حیات کم پہن لیتی ہے
شوخی خوشبو کا رم پہن لیتی ہے
یہ عورت اک آبگینۂ مینائی
ٹوٹے تو نشاطِ غم پہن لیتی ہے

سگمڈ فرائڈ سے ماخوذ

یہ سانپ اور خزینہ جلیس ہوتے ہیں
فریبِ قرب کے منظر نفیس ہوتے ہیں
جبینِ بخل رعونت نصیب ہوتی ہے
امیر آدمی اکثر خسیس ہوتے ہیں

ہم یہاں قتل ہو کے آئے ہیں

نفس نفس ہے تموّج شرار نوشی کا
حریمِ ہالۂ بازوئے مرمریں ہے یخ
نشاطِ غم کدۂ بود کے جہنم میں
ہجومِ لمس کا ہے زمہریری آتش زار
خروشِ نغمۂ ہل من مزید جاری ہے
پگھل رہے ہیں سبو میں سمن وشوں کے جمال
شرر شرر ہیں بدن سائے ہیں شفق اندام
اماں نہیں کہ ہے برفابِ آرزو کا خرام
تنورِ رقص میں شعلہ بہ شعلہ برف فشاں
دھواں تراش رہا ہے گماں کے پیراہن

نقوشِ موجِ گماں سر بریدہ ہیں رقصاں
کہ سوئے بے خبراں سر کہیں گئے ہوئے ہیں
نگاہِ در ہے کھلی گھر کہیں گئے ہوئے ہیں
نہیں ہے رشتۂ ضو اور چراغ اچھلتے ہیں
نہیں ہے آتشِ مے اور ایاغ اچھلتے ہیں
طلسم چھوڑ گئے ہیں فریبِ سایہ نشیں
ہمارے اسم ہماری تلاش میں حیران
وجود باختہ منظر سے پوچھتے ہیں پتہ
جنم سے پہلے ہمیں قتل کر دیا گیا اور
ہمارے سایہ بہ سایہ نقوش اتارے گئے
ہمارے سائے میں کُن کی مشین چل رہی ہے
بکھر رہا ہے فلک اور زمین چل رہی ہے

قحطِ آرزو میں

چشمۂ دید میں لہلہاتے ہیں کھیت انجم کے
آئنہ خانۂ افلاک چمکتا ہے ابھی
پیکرِ نور وشِ ناز کا ہے عکسِ جلیل
جس سے یہ مرتبۂ خاک چمکتا ہے ابھی
لمحۂ وصل ہے جو دیدۂ گردوں کا چراغ
مہر میں تکمۂ پوشاک چمکتا ہے ابھی
روزنِ خواب سے طاؤسِ فسوں جھانکتا ہے
یہ سرابِ خس و خاشاک چمکتا ہے ابھی
اے خداوندِ چمن زارِ مہ و کاہکشاں
مجھے شربِ لبِ گُل فام نہیں دیتا نہ دے

دانۂ خال تہِ دام نہیں دیتا نہ دے
مژدۂ عیشِ مے و جام نہیں دیتا نہ دے
رخصتِ گردشِ ایام نہیں دیتا نہ دے

اے نگہ دارِ گل و لالہ و آئین بہار
عطر آگیں یہ گزر گاہِ فنا رہنے دے
زلف کے ہاتھ میں تزئینِ صبا رہنے دے
پھول کا خوشبو سے پیمانِ وفا رہنے دے
شوخیٔ حسن کا سامانِ ادا رہنے دے

ہاؤ ہُو سے ہے یہ جشنِ قدح و جام و سبو
حسرتِ رندِ خرابات کے اسباب نہ چھین
عشوۂ نازِ حسینانِ نظر باز ہے خوب
اِس تمنا کے در و بام سے مہتاب نہ چھین
تشنۂ دید رہیں ہجر میں چشمانِ خیال
اے خدا مجھ سے عذابِ نگۂ خواب نہ چھین

انسان زمین بدر ہوتا ہے

تقسیم کر رہا ہے ستاروں میں روشنی
سورج سے لڑ رہا ہے یہ مٹی کا آدمی
اس کا شکار اوجِ ثریّا کے قافلے
اِس کا ہنر ستارۂ افلاک افگنی
موجِ غبارِ نور کفِ پا کی گرد ہے
بزمِ نبود و بود میں رقصِ نبرد ہے
اِس کا جنوں زمیں کی وسعت نگل گیا
اِس کے شرارِ عشق سے سورج پگھل گیا
ہیں مہر و ماہ و مُشتری اِس کے فریب میں
گردوں کا آبگینہ ہے قطرے کی جیب میں

لیکن بہشتِ ارضی کا نقشہ بدل گیا
تقدیرِ اہرمن کا تقاضا بدل گیا
یہ آدمی ہے آج گنہ گارِ زندگی
گندم کے دانہ کا ہے یہ عُجبِ فسوں گری
سرگوشیاں ملائکہ کی گوش زد ہوئیں
ساری دعائیں حوا و آدم کی رد ہوئیں
دستِ قضا سے نامۂ حکمِ سفر ملا
اے کھنکھناتی مٹی کی ناز آفریں خطا
اے نفسِ ما و تین یہاں سے نکل چلو
اے عرش کے مکین یہاں سے نکل چلو
شہزادیوں کے سر سے پھر آنچل پھسل پڑے
مرّیخ کی گلی میں نظارے اچھل پڑے
آدم فریبِ خُلدِ زمیں سے نکل پڑا
یزداں کے کاروبار میں ایسا خلل پڑا
پھرتا ہے چاند چاند زمیں زادہ خوار خوار
نادیدنی حیات کا لاشہ لیے ہوئے
شہرِ ستارگاں میں کوئی پوچھتا نہیں

ہر حُسنِ مستعار ہے کاسہ لیے ہوئے
دُور اجنبی ستارہ کہیں لڑکھڑایا ہے
آوارگانِ شوق سے کوئی بھٹک گیا
دینا مغنّیہ مری ہم رقص کو صدا
آؤ کہ پاؤں کاہکشاں میں اٹک گیا
میں کھو گیا سراب ستانوں کی بھیڑ میں
نجم و قمر کے رقص میں ساغر پٹک گیا

❁

انکار

رفعتیں اختلاف کرتی ہیں
آسماں میں شگاف کرتی ہیں
قبلہ ہے جس کا غیرتِ انکار
صدیاں اُس کا طواف کرتی ہیں

❁

فردا

انسان جہنم کے جو سانچے میں ڈھلیں گے
آگ اور دھواں کھائیں گے انگارے جنیں گے
یہ وقت بھی دیکھو گے زمیں زادو، زمیں پر
ہم اور تُم ایٹم بموں کا رزق بنیں گے

❁

شہرِ آشوب زاد
''سقوطِ ڈھاکہ''

اے مری ارضِ چمن اے مری تہذیبِ جلیل
اے مرے خُلد نشاں دیدۂ اقبال کے خواب
تجھ سے پُر نور ہے یہ قریۂ ناموسِ جاں
اے مری نو ر زمیں تجھ سے ہے منظر کی کرن
تری تقدیس کا پرچم ہے فلک کا خورشید
اے مری ارضِ چمن اے مری تہذیبِ جلیل
ترے فردوس کے افلاک ہیں استادہ جہاں
کوچۂ جبر میں اُس خاک کی ہمت کی قسم
تری تاریخ کی پیشانی کے یہ زخم یہ داغ
کسی شمشیرِ عدو کا نہیں ہے اوجِ ستم

یہ ہمیں ہیں، یہ ہمیں ہیں ستم و جور کے ہاتھ
جن سے تجدیدِ تمنّا کی زمیں بانجھ ہوئی
اے مری ارضِ چمن اے مری تہذیبِ جلیل
ہم ہیں میزانِ مفادات کے تذلیل فروش
ہم ہیں اربابِ سیاست کا فسوں ساز خروش
آج یہ ارضِ وطن کشتِ نمو میں جس کی
نہ کوئی شاخِ امانت نہ کوئی نخلِ ضمیر
یہ ہمیں ہیں، یہ ہمیں ہیں ستم و جور کے ہاتھ
جن سے تجدیدِ تمنا کی زمیں بانجھ ہوئی

❁

گماں کے شمال میں

نظر گزیدہ بدن میں شفق کے پہرے تھے
سیاہِ رنگ کے منظر گماں سے گہرے تھے
بکھر رہے تھے وہاں خاکداں کے پیراہن
پہن رہے تھے خیال آسماں کے پیراہن
نگاہِ روشنی آئینۂ زماں ہوئی تھی
عروسِ معجزۂ دید بے اماں ہوئی تھی
سبو سبو اتر آئے نظر نظر کے حجاب
نفس نفس ہوئے وا کعبۂ جنوں کے باب
سوارِ موجۂ لا تیرتا چلا گیا میں
اسیرِ بے بدنی پھیلتا چلا گیا میں
فراتِ چشمِ سبو میں زمانے بہتے تھے
دیارِ عشق میں دریا یگانے بہتے تھے

❁

رباعیات

رحمت کے گواہ جھومتے جائیں گے
رندانِ الٰہ جھومتے جائیں گے
فیضانِ گنہ حشر میں ہو گا جاری
اربابِ گناہ جھومتے جائیں گے

✵

اور پیرہنِ حرف سِیا جائے گا
تجدید کا فن صرف کیا جائے گا
صورت سے پگھل جاتی ہے آئینہ کی آنکھ
معنیٰ کو نیا ظرف دیا جائے گا

✵

نظّارہ سر بریدہ ہو جائے گا
احساس الم گزیدہ ہو جائے گا
چہرے سے اتاریے نہ غازے کا غبار
آئینہ آب دیدہ ہو جائے گا

❁

بینائیٔ حرف میں نہ ڈالی جائے
مے ساغرِ برف میں نہ ڈالی جائے
گھل جاتا ہے روشنی میں فانوس کا رنگ
لَو شمع کی ظرف میں نہ ڈالی جائے

❁

یہ شمس و قمر فریبِ آدم میں ہیں
سر گرمِ خرام زیبِ آدم میں ہیں
عالم ہے شرارِ ذرۂ دشتِ جنوں
لاکھوں شرر ایسے جیبِ آدم میں ہیں

❁

گلشن میں نسیمِ جستجو نالاں ہے
حیرت سے نگاہِ رنگ و بُو نالاں ہے
باہر جو نہ آیا دیدۂ خواب سے میں
دستِ حسرت سے آرزو نالاں ہے

❁

جھکتا ہے آسمان میرے آگے
رکھ دیتا ہے کمان میرے آگے
میری کششِ ثقل میں ہوتا ہے اسیر
پھرتا ہے یہ خاک دان میرے آگے

❁

پہنچا ہوں خیالِ رفتہ میں مر کے کہیں
لے جائیں نہ راستے گماں بھر کے کہیں
امروز کو میں دیدۂ فردا کر دوں
تھک جائیں اگر پاؤں مقدر کے کہیں

❁

عالم کے عجائبات پر روشنی ہے
قدرت کی نگارشات پر روشنی ہے
اُس کے پرتو سے شیشہ و ساغر کی
دیوارِ کائنات پر روشنی ہے

❁

رستہ کوئی شہرِ ذات سے آگے بھی ہے
منظر کوئی کائنات سے آگے بھی ہے
تشنہ ہے نگار خانۂ رنگِ حیات
دریا کوئی فرات سے آگے بھی ہے

❁

افکار کو روشنی میں ضم کرتا ہے
آفاق کی تقدیر رقم کرتا ہے
ہوتا ہے طلوع جب قلم کا سورج
خورشیدِ کہن کا سر قلم کرتا ہے

❁

پیمانِ خرد سے نہیں پینے دیتی
یہ زیست گریباں نہیں سینے دیتی
میں حُسن کی کربلاؤں میں تشنہ ہوں
مرنے کی تمنا نہیں جینے دیتی

❁

جو رازِ جنوں اسیرِ محمل ہو گیا
رستہ نگہِ شوق کی منزل ہو گیا
تصویرِ تماشا نہیں دیکھی جاتی
آئینہ نگار خانۂ دل ہو گیا

❁

ساقی لایا گیا ہوں مے خانے میں
یعنی ڈالا گیا ہوں پیمانے میں
میں گھومتا ہوں گردشِ پیمانہ سے
تسبیحِ روزگار کے دانے میں

❁

معنی کا نور لفظ کے سینے میں دیکھ
سورج کی کرن ابر کے آئینے میں دیکھ
ہے رنگِ بدن قوسِ قزح کا گُل دان
فوارۂ جاں قمقموں کے زینے میں دیکھ

❁

خورشید بدن کی شعلہ افشانیاں دیکھ
آئینہ پیرہن کی تابانیاں دیکھ
عریانیوں سے تراش لیتی ہے لباس
بنتِ حوا کی یہ تن آسانیاں دیکھ

❁

وہ جن کے اوج پر مقدر آئے
تلوار کی دھار پر میّسر آئے
پشتِ ہمت پر آیا بارِ کہسار
دستار کے زیرِ بار جو سر آئے

❁

کوئی طاقت گمان کے پر میں نہیں
فطرت کا نظام قوتِ زر میں نہیں
جس قوم کی تعلیم ہے دولت میں اسیر
منزل اُس قوم کے مقدر میں نہیں

❁

جذبات میں بارود سمویا ہوا ہے
ناسور خیالات میں بویا ہوا ہے
آئینۂ امروز میں فردا کا نصیب
انسان کی پستیوں میں سویا ہوا ہے

❁

اک پھونک سے خورشید بجھا سکتا ہے
تنکے سے آسمان اٹھا سکتا ہے
اخلاق کے پردے میں خوشامد کا ہنر
فولاد کا دل موم بنا سکتا ہے

❁

چاندی کی عجب سر میں چبھن ہوتی ہے
ہر بال میں زرفشاں کرن ہوتی ہے
جس گھر کے در و بام پہن لیتے ہیں برف
اُس گھر میں آگ شعلہ زن ہوتی ہے

❁

شمس و قمر آستین میں پیدا کر
یہ روشنیاں زمین میں پیدا کر
لوہے میں کاشت کر خیالات کی آنکھ
احساسِ نظر مشین میں پیدا کر

❁

تجدید کی شاخ تختی سے اگتی ہے
یہ روشنی حرف پاشی سے اگتی ہے
الفاظ سے نظریے جنم لیتے ہیں
تہذیب قلم کی کھیتی سے اگتی ہے

❁

پیسہ افرنگ و چین کا پہیہ ہے
گردش میں رواں زمین کا پہیہ ہے
احساس کے پاؤں میں ہے لوہے کا سفر
ابنِ آدم مشین کا پہیہ ہے

❁

علّامہ ہے اس عہد کا عمّامہ فروش
ہے ننگِ قلم ضمیر کا جامہ فروش
ناموسِ وطن کی بیچتا ہے دستار
ذلّت کا ترجمان ہے خامہ فروش

❋

کمزور کو طاقت نہیں دیتی کرسی
احمق کو فراست نہیں دیتی کرسی
کردار ہے فخرِ جاودانی کا تاج
انسان کو عزت نہیں دیتی کرسی

❋

خورشید سوار اسم کے پار اُترا
افلاک شکن طلسم کے پار اُترا
طاؤس کے پیرہن تھے آواز کے رنگ
میں ایک دن اپنے جسم کے پار اُترا

❁

سورج کی کرن میں تشنگی سائے کی تھی
ذرہ ذرہ دیدہ وری سائے کی تھی
اندیشۂ خواب میں فلک بلبلہ تھا
فانوسِ گماں میں روشنی سائے کی تھی

❁

تحسین کے یہ لطف و کرم جھوٹے ہیں
الفاظ کے یہ دام و درم جھوٹے ہیں
سچ کی میزان پر سخن رکھتے نہیں
اِس عہد کے یہ اہلِ قلم جھوٹے ہیں

❁

تیرِ نظر آبرو کو ڈس جاتے ہیں
ایسے شرر آب جو کو ڈس جاتے ہیں
تہذیب کے جنگل میں حسیناؤں کے جسم
آسیبِ آرزو کو ڈس جاتے ہیں

❁

شبنم آنسو کا آبگینہ ہی نہ ہو
یہ پھول تبسم کا قرینہ ہی نہ ہو
سائے کا بگولا ہے کہ خوشبو کا لمس
یہ خواب زدہ کوئی حسینہ ہی نہ ہو

نم دیدہ ہے آنکھ خواب چھن جانے کے بعد
راحت نہیں کچھ عذاب چھن جانے کے بعد
وحشت کا جنوں لاتا نہیں عشق میں تاب
آتی ہے خرد شباب چھن جانے کے بعد

نمرود کی اولاد ہیں مغرب کے امام
فرعون کے عم زاد ہیں مغرب کے امام
انسان کا ابلیس ہے انسان اگر
ابلیس کے استاد ہیں مغرب کے امام

❁

دستورِ وطن دام و درم پرور ہے
ہر حاکمِ جمہور شکم پرور ہے
صیّاد سے مانوس ہو جاتا ہے صید
جمہوریت آشوبِ ستم پرور ہے

❁

آتا ہے سکوں اگر نہیں آتا ہے
راحت کا عذابِ دل نشیں آتا ہے
آتی ہے شکستِ آرزو کی آواز
پیمانہ جونہی لب کے قریں آتا ہے

✿

ہے بلبلہ وار خیمۂ حبس کہیں
لرزاں ہے نگاہِ شعلۂ رقص کہیں
ہے دائرۂ رنگ میں نیرنگِ ظہور
آئینہ کہیں گھومتا ہے عکس کہیں

✿

ہر پھول کو خالی جیب دینے کے سوا
کیا دیتی ہے یہ نشیب دینے کے سوا
دنیا کی آرزو کے ہیں روپ ہزار
کچھ دیتی نہیں فریب دینے کے سوا

❁

کردار کا اعزاز بدل جاتا ہے
انجام کا آغاز بدل جاتا ہے
محسوس مشینوں کے خیالات ہوں جب
احساس کا انداز بدل جاتا ہے

❁

تہذیب زدہ موسم سے مارے گئے
کم بخت نشاطِ غم سے مارے گئے
کیا پوچھتے ہو عشرتیانِ فردوس
ہم ووٹ کے ایٹم بم سے مارے گئے

❁

صحراؤں میں حباب تعمیر کریں
ذرّوں میں آفتاب تعمیر کریں
کشکولِ آرزو نہیں کاسۂ سر
اُٹھو کہ دیارِ خواب تعمیر کریں

❁

فن شب کی ترازو میں سحر تولتا ہے
سچا جھوٹ اعجاز کا در کھولتا ہے
بُت میں نظر آتا ہے نگارِ ازلی
یعنی جھوٹا خدا بھی سچ بولتا ہے

❁

مقہور کی لوح خون سے لکھی جائے
مجبور کی لوح خون سے لکھی جائے
کہتے ہیں خدا سے کاتبانِ تقدیر
مزدور کی لوح خون سے لکھی جائے

❁

زر کی میزان پر قلم تولتا ہے
دولت کا ہُنر ستم کا در کھولتا ہے
سر باختہ مقتول ہے حرفوں کا سکوت
تاریخ میں صدیوں کا لہو بولتا ہے

❁

تصویر کا دل طلسم کی قید میں ہے
آئینہ فسونِ اسم کی قید میں ہے
تصویر سے باہر نہیں تصویر کی آنکھ
انسان آسیبِ جسم کی قید میں ہے

❁

تقصیر پہ رونے کی مجھے عادت ہے

منہ آگ سے دھونے کی مجھے عادت ہے

تقدیرِ گناہ لایا ہوں خلد سے میں

معصوم نہ ہونے کی مجھے عادت ہے

۞

تصویر میں جل رہا ہے آواز کا رنگ

نابود میں بودنی ہے غمّاز کا رنگ

طاؤس قبا ہے لمحۂ دید کی موج

نیرنگِ چمن ہے گلشن راز کا ہے

۞

تقریر میں تزویر نظر آتی ہے
زنجیر میں زنجیر نظر آتی ہے
رنگِ الفاظ سے گزرتا ہے سماں
تصویر میں تصویر نظر آتی ہے

❁

کٹ جائے شجر اوجِ ہُنر ہو تو سہی
پتھر ہی مقدر ہے، ثمر ہو تو سہی
یہ دار و رسن کسی کی میراث نہیں
شمشیر کے لائق کوئی سر ہو تو سہی

❁

انکار کی تعمیل ابھی باقی ہے
ابلیس کی تمثیل ابھی باقی ہے
ٹوٹے نہ کہیں صریرِ خامہ کا سرود
انسان کی تکمیل ابھی باقی ہے

❁

وا حرف میں دیدۂ ضیا بیز کرو
تہذیبِ سُخن کو جرات انگیز کرو
تصویر میں ہو رنگِ معانی کا خروش
اے شمس گرو، رقصِ قلم تیز کرو

❁

سر زیرِ گراں بارِ عداوت کر دے
وہ موجۂ نور بھی سخاوت کر دے
میرے آئینۂ سبو میں ساقی
چاندا ُترےتوسورج سے بغاوت کردے

❁

گلشن میں آج دیدہ ور کوئی نہیں
نرگس کی آنکھ میں شرر کوئی نہیں
امروز کے سورج میں نہیں بینائی
فردا کی طرف روزنِ در کوئی نہیں

❁

صحرا میں لالے کا سبو جلتا ہے
ذرّے میں شرارِ آرزو جلتا ہے
ہے خیمۂ خوشبو میں تمنّا کا دھواں
فانوسِ گلاب میں لہو جلتا ہے

❁

وہ موت سے گفتار کی منزل میں ہے
سردار ہے وہ دار کی منزل میں ہے
ہیں اُس کی جیب میں فرات و دجلہ
وہ لذّتِ انکار کی منزل میں ہے

❁

دل سے جو آہِ سوز ناک اُڑتی ہے
حسرت کدۂ خواب کی خاک اُڑتی ہے
جلتا ہے خیمۂ شبستانِ ضمیر
کشکولِ آسماں میں راکھ اُڑتی ہے

❁

خود ساختہ حبس میں سفر کرتی ہے
وہ تیسرے نفس میں سفر کرتی ہے
اندیشۂ تصویرِ گماں کی صورت
تمثیل کے عکس میں سفر کرتی ہے

❁

تجدیدِ کہن فنا کی مٹی میں ہے
تعمیرِ نو قضا کی مٹی میں ہے
وا ہوں گے نہاں خانۂ تخلیق کے در
آدم ابھی کربلا کی مٹی میں ہے

❁

ایّام کو دستورِ عمل دیتا ہے
پل میں سورج کا رخ بدل دیتا ہے
یہ بلبلۂ خونِ شہیدانِ عشق
تہذیب کے افلاک کچل دیتا ہے

❁

جب اشکِ قمر دیدۂ شب سے نکلا
نالہ دلِ خوابیدۂ شب سے نکلا
نیزے پہ تھا نورِ یزدانی کا سر
سورج کفِ لرزدیدۂ شب سے نکلا

ہستی من و تو کی روشنی میں پڑھیے
کردار عدو کی روشنی میں پڑھیے
لو دیتا نہیں سچ کو مورّخ کا قلم
تاریخ لہو کی روشنی میں پڑھیے

تخلیق غمِ نشاط کا حصہ ہے
یہ حسن تو معجزات کا حصہ ہے
آویزۂ خورشید ہے ماتھے کی کرن
زن نورِ کائنات کا حصہ ہے

❁

گردوں پہ نئے لعل وگہر ٹانک میاں!
ریوڑ ماہ و ستارہ کے ہانک میاں!
شاید کوئی آدمی ہو خورشید بدست
دیوارِگماں سے پرے بھی جھانک میاں!

❁

تلوار نہیں چلتی زباں کے آگے
چلتا نہیں زورِ آبِ رواں کے آگے
عورت کبھی جبر سے نہیں جھک سکتی
جھکتی ہے زمیں کب آسماں کے آگے

❁

رخسار سبو کی روشنی میں پڑھیئے
قرآن وضو کی روشنی میں پڑھئیے
معنی سے نیا عکس ابھر آتا ہے
ہر لفظ نمو کی روشنی سے پڑھئیے

❁

رنگِ نظر آشوب کے پیکر دیکھے
ساغر میں سسکتے ہوئے منظر دیکھے
عورت دیکھی سات سمندر پیاسی
بہتے اس میں سات سمندر دیکھے

❁

ابلیس کی راہ سے الٰہی توبہ
تقصیرِ نگاہ سے الٰہی توبہ
اپنے اعمال سے چھپاتا ہوں منہ
ہر ذوقِ گناہ سے الٰہی توبہ

❁

آغوشِ زوال میں سفر کرتا ہے
دریا بھی کمال میں سفر کرتا ہے
تشبیہ کے بادباں نہ کھولے جائیں
ہر قطرہ وصال میں سفر کرتا ہے

❁

ہوتی ہے روح کی ہلاکت پیدا
لالچ سے نہیں ہوتی فراست پیدا
جس علم کا مقصود ہو دولت کا حصول
اُس علم سے ہوئی ہے جہالت پیدا

❁

جرات کا تہوّر کا حمیّت کا امیں
مومن کا دل ایمان کی ثروت کا امیں
عالم میں ہوا شہرتِ حق سے معلوم
اسلام ہے انسان کی غیرت کا امیں

❁

چشمِ شفقیں سانس نہیں لے سکتی
تصویرِ حزیں سانس نہیں لے سکتی
مٹی کے تنفّس پر ہے ظلم کا پاؤں
ایسا کہ زمیں سانس نہیں لے سکتی

❁

پوشیدہ سچ کی داستاں کس نے رکھی
دیوارِ ظلم درمیاں کس نے رکھی
میں عدل کی گفتگو نہیں کر سکتا
آزادی میں یہ قیدِ زباں کس نے رکھی

❁

محتاجِ نگیں جاہ و حشم رکھے گئے
عزت کی جگہ دام و درم رکھے گئے
شمشیرِ شعلۂ سخن ٹوٹ گئی
دولت کی ترازو میں قلم رکھے گئے

❁

بازارِ ستم اندھا ہے سرمائے کا
اقوام کشی دھندا ہے سرمائے کا
افراد کو کرتے ہیں غلامی میں اسیر
جمہوریت اک پھندا ہے سرمائے کا

❁

آرائشِ عکس سے ہویدا میں نہیں
مے ہے رنگین رنگ مینا میں نہیں
آئینہ ہے وسعتِ تماشا میں اسیر
تصویر مگر قیدِ تماشا میں نہیں

❁

ذرّوں میں گلوں کی شعلگی رکھی گئی
صحرا میں لہو کی روشنی رکھی گئی
مٹی میں ہزار کربِ تخلیق کے ہیں
مٹی میں بلا کی زندگی رکھی گئی

❁

پازیب کا فتنہ پاؤں میں رکھ دینا
رقصِ محشر اداؤں میں رکھ دینا
جب وہ برقع اُلٹ کے گفتار کرے
یہ سورج اُس کی چھاؤں میں رکھ دینا

❁

کہسار گنہ گارِ وطن ہو جائیں
ثابت قدم اغیارِ وطن ہو جائیں
ہم اہلِ جنوں کا ہے یہی عیبِ سخن
سچ بولیں تو غدارِ وطن ہو جائیں

❁

الفاظ سے معنی ہوئے عالی پیدا
ہوتی نہیں اِک ہاتھ سے تالی پیدا
افلاسِ تخیّل سے اللہ بچائے
ہوتا ہے سخن روح سے خالی پیدا

❁

محتاج شہنشاہوں کو غم بیچا ہے
مغرور تمنا نے حشم بیچا ہے
تاریخ کو افسانے بنانے کے لیے
نادار مورّخ نے قلم بیچا ہے

❁

ہے دردِ نہاں آہ و فغاں سے آگے
تخلیق کا غم ہے غمِ جاں سے آگے
شمس و قمر اِس کی رہگزر کے پتھر
شاعر کا جہاں ہے آسماں سے آگے

❁

جیسی فطرت ہے ویسی قسمت ہے میاں
مٹی کا ازل سے ایسا خلعت ہے میاں
دوزخ کی مشقت ہو کہ جنت کی قید
تقدیر کے مزدور کی اجرت ہے میاں

❁

ڈر سے خس و خاشاک لرز جاتے ہیں
فرعون تہِ خاک لرز جاتے ہیں
اربابِ سیاست کو نہیں ہے معلوم
انکار سے افلاک لرز جاتے ہیں

❁

انکار سے تکبیر جواں ہوتی ہے
مقصود بغاوت کی اذاں ہوتی ہے
بول اے انسان بول سچ کی آواز
خاموشی منافق کی زباں ہوتی ہے

❁

عالم ہے یہ دیوارِ تمنا کا قدم
ہوتا نہیں تکرارِ تمنا کا قدم
کیسے ہو خرامِ سایۂ عکسِ خیال
معذور ہے رفتارِ تمنا کا قدم

❁

پیدا ہونے کی جستجو کرتی ہے
آئینہ کی صورت آرزو کرتی ہے
جب چاہتی ہے رازِ نہاں کی تشہیر
فطرت شاعر سے گفتگو کرتی ہے

❁

انسان نے اعتبارِ قسمت پایا
حصّہ اپنا بقدرِ ہمت پایا
یہ عیشِ بہشت، یہ جہنم کا فراق
جیسی عادت ہے ویسا خلعت پایا

❁

تصویرِ کفن نصیب کا پھول ہوا
حسرت کدۂ فریب کی دھول ہوا
لب چوم لیئے چھوٹ گیا ہاتھ سے جام
دل منزلِ آرزو کا مقتول ہوا

❁

صورت گری ارتباط سے ہوتی ہے
ہر بودنی اختلاط سے ہوتی ہے
کھُلتا ہے نشاطِ غم سے ایجاد کا در
تخلیق غمِ نشاط سے ہوتی ہے

❁

انکار کی دیوار گرا دیتا ہے
وہ شعلۂ افکار بجھا دیتا ہے
ایسا ہوتا ہے خود پرستی کا جنوں
انسان کو فرعون بنا دیتا ہے

❁

منظر میں نظر میں چاہیے اک ہونا
توحید نہیں دوئی کا سالک ہونا
حُسنِ تمثال اگر ہو آئینہ پذیر
ہے عشق میں آدمی کا مشرک ہونا

❁

الفاظ طلسمات میں ڈھل جاتے ہیں
تشبیہ کے آفاق پگھل جاتے ہیں
وہ ریشمی آنچل کہیں لہرائے تو
تصویر کے پیرہن بدل جاتے ہیں

❁

روز و شب کا جلال رک جاتا ہے
ظالم کا ہر حساب چُک جاتا ہے
جب سچ دار و رسن سے ہوتا ہے بلند
انصاف کا سر شرم سے جھک جاتا ہے

❁

آرائشِ امکانی کے پردے پڑے ہیں
آئینہ پہ حیرانی کے پردے پڑے ہیں
کھُلتا نہیں عشق سے تمنا کا حجاب
تصویر پہ عریانی کے پردے پڑے ہیں

آئینہ خانۂ تماشا ہو گیا
کشکولِ نظر دیدۂ بینا ہو گیا
ہے بزم گہۂ وجود میں رقصِ خیال
یہ کعبۂ دل عرشِ تمنا ہو گیا

صحرا میں خواب چاہیے پانی کا
آنکھوں کو سراب چاہیے پانی کا
عادت ہے آبِ وصل میں جلنے کی
مچھلی کو عذاب چاہیے پانی کا

خواہش کے سوا جیب میں رکھا کیا ہے
اور جسم کے آسیب میں رکھا کیا ہے
آتی ہے تمنا کے سسکنے کی صدا
لڑکی تری پازیب میں رکھا کیا ہے

تاروں کو رام کر رہا ہے ساقی
سورج کو غلام کر رہا ہے ساقی
دستورِ کہن بدل رہا ہے کروٹ
گردش میں جام کر رہا ہے ساقی

❁

سایہ رزقِ خزاں نہیں تھا میرا
ملبوسِ شجر گماں نہیں تھا میرا
میں لا کے نقش میں پڑا تھا عریاں
پردا بھی درمیاں نہیں تھا میرا

❁

تصویر ہے سورج کی حرارت کے بغیر
تعلیم کی صورت ہے حقیقت کے بغیر
یہ کالج، یہ رزقِ مفادات کا علم
میراثِ ابوجہل ہے حکمت کے بغیر

❁

طفلِ ابلیس کی کفالت سے بچو
دستورِ ظلم کی عدالت سے بچو
ہو جاؤ گے زنجیرِ تکبر میں قید
لوگو! تعلیم کی جہالت سے بچو

❁

قانون سے انصاف کو رد کرتا ہے
دولت کا چلن نیک کو بد کرتا ہے
جمہوریت انداز بدل دیتی ہے
مظلوم بھی ظالم کی مدد کرتا ہے

۞

میزان ضروری ہے عدالت کے لیے
سچ چاہیے جھوٹ کی وکالت کے لیے
انصاف کے پیرہن میں قانون کا خوف
ہوتا ہے ظلم کی کفالت کے لیے

۞

ساغر سے ستارۂ سفر باہر پھینک
ساقی افلاک سے شرر باہر پھینک
مٹی کا دِیا روزنِ عالم میں رکھ
یہ مانگے ہوئے شمس و قمر باہر پھینک

❁

ڈر آنکھ کو چشمۂ سبو کرتا ہے
خوف ایسا کہ جھوٹ بھی وضو کرتا ہے
وہ جبر کہ بولتا ہے ممبر کا سکوت
سچ دار و رسن سے گفتگو کرتا ہے

❁

سچ پردہ کرو جھوٹ کی عریانی کا
مشکل ہوتا ہے کام آسانی کا
چھپ جاؤ کسی گوشۂ حیوانی میں
آیا ہے دور قحطِ انسانی کا

❁

دستار و جبہ و قبا بیچتے ہیں
تزویرِ خلوص سے ریا بیچتے ہیں
ہیں خرقۂ سالوس میں شیطاں کے مرید
پیرانِ حرم جعلی خدا بیچتے ہیں

❁

بھگوان کی مورت بیچی جاتی ہے
قرآن کی سورت بیچی جاتی ہے
تشہیر کی زرخیز ادا میں عورت
اِک جنس کی صورت بیچی جاتی ہے

❁

تبدیل خداؤں میں صنم ہوتے ہیں
تجدید کے بت زیبِ حرم ہوتے ہیں
کرتی ہے خرد جب نئے کعبے ایجاد
شمشیرِ قلم سے سر قلم ہوتے ہیں

❁

افلاس کی جب خوں ریزی بڑھتی ہے
قیمت کی قیامت خیزی بڑھتی ہے
جب ناز و ادا کے پیرہن رقص کریں
بازارِ حصص کی تیزی بڑھتی ہے

❁

حالات کی تصویر نظر آتی ہے
ہر خواب کی تعبیر نظر آتی ہے
کردار کو افکار کے آئینہ میں دیکھ
انسان کی تقدیر نظر آتی ہے

❁

مظلوم کا کردار بدل جاتا ہے
اندازِ ستم گار بدل جاتا ہے
ہوتا نہیں اربابِ سیاست کا ضمیر
انصاف کا معیار بدل جاتا ہے

❁

نکلا شفقیں لباس میں عید کا چاند
گُل پوش ہوا بام پر امید کا چاند
دل چیر گیا اُس کا ہلالِ ابرو
خنجر ہوا، شمشیر ہوا عید کا چاند

❁

معنی کی عروسِ گُل قبا آتی ہے
ہر دیدۂ حرف سے ضیا آتی ہے
ہوتی ہے نئے ارض و سما کی تخلیق
خامے سے مجھے کُن کی صدا آتی ہے

❁

حرّیت پیٹ میں پگھل جاتی ہے
تہذیب روایت سے پھسل جاتی ہے
تم کرتے ہو بات حضرتِ انساں کی
یہ بھوک تو مذہب کو نگل جاتی ہے

❁

دیوار میں سات رنگ در آتے ہیں
لے کر قوسِ قزح وہ گھر آتے ہیں
اُن کی دستک سے ناچتے ہیں در و بام
سنّاٹے بولتے نظر آتے ہیں

❁

مٹی کا ثمر اپنے ستارے میں تھا
سونا چاندی بدن کے گارے میں تھا
میں ہوگیا اِک حسینہ کی جیب سے خرچ
معلوم ہوا نفع خسارے میں تھا

❁

اک سایہ پسِ شعلۂ جاں باقی ہے
میرے کشکول میں دھواں باقی ہے
سامان ہوئے دیدہ و دل کے رخصت
مقروضِ آرزو گماں باقی ہے

❁

توفیق سے باہر نہیں ہمت اچھی
جتنا دریا ہو اتنی وسعت اچھی
شہرت نہیں آتی راس عزت کے بغیر
عزت سے زیادہ نہیں شہرت اچھی

❁

قطرے میں دید کا تماشا نکلا
آنسو کا سبو شوق کا دریا نکلا
پیدا ہوا شعر تو کہا شاعر نے
مقتول تمنا کا جنازہ نکلا

❁

دیدہ آغوشِ خواب میں وا کر لوں
میں خواب میں خواب کا نظارہ کر لوں
بس ایک تمنّا ہے مرے سینے میں
مر جائے تو ذات کا تماشا کر لوں

❁

کس چیز کی شہر میں کمی بولتی ہے
جب کوئی نہ بولے خامشی بولتی ہے
سچ کی میت پہ جھوٹ ہے نوحہ کناں
جیسے غم میں کوئی خوشی بولتی ہے

❁

آواز بدن حرف کا اخگر نکلا
منظر کا دیا دیدۂ محشر نکلا
دھوپ اتنی میرے قریۂ جاں میں تھی
سورج سایہ پہن کے باہر نکلا

❁

باہر سے کھینچتا ہے منظر کوئی اور
ہے سایۂ پیرہن کے اندر کوئی اور
ہوتا ہوں کسی کے دیکھنے سے پیدا
اندر میں ہوں آئینہ کے باہر کوئی اور

❁

تخلیق کو رم موجِ قلم دیتی ہے
فردا کی خبر نشاطِ غم دیتی ہے
نیزے پہ نئی صبح کا سورج ہو گا
مٹی نیا آدمی جنم دیتی ہے

❁

سورج کا لہو شفق کا لشکارا ہے

شب خون اُفق سے شام نے مارا ہے

یہ زیست کا پیرہن ہُوا ہے تبدیل

مٹی کا بشر موت سے کب ہارا ہے!

❁

خود تک سفرِ انا کا پھیر آتا ہے

اِس راہ میں انتہا کا پھیر آتا ہے

یہ موت و حیات عشق کے ہیں دو گام

اور عشق میں کربلا کا پھیر آتا ہے

❁

مست آنکھ سے پیمانہ بہک جاتا ہے
آخر دلِ فرزانہ بہک جاتا ہے
ہاتھوں سے چھوٹ جاتے ہیں جام وسبو
وہ آئے تو مے خانہ بہک جاتا ہے

❁

میں سایہ پہن لوں زیرِ دام آؤں تو
میں جسم اُتار دوں، پھسل جاؤں تو
ہو میرا قدم سرابِ لا سے باہر
میں قیدِ خیال سے نکل پاؤں تو

❁

Naseer Zinda : Poet of Immortality

The penname Zinda in Urdu means the living person. Naseer Zinda is alive but will not die even after his natural death as he has achieved immortality by his immortal poetry and by the dint of Pen. He has won the laurels of excellence in writing "Rubai". Rubai is a form of poetry that is originally Arabic term and then from Persian it entered into the glorious realm of Urdu. It is a stanza of four lines. In English , it is known as Quatrain. The Persian Rubaiyyat of Umer Khayyam which were translated into English by Fitzgerald are much popular world wide. In Urdu poetry, Mir Anis, Mirza Dabir and Josh Malihabadi are the shining stalwarts and stars on the firmament of poesy. Their sheen brightens the dark and dreary nooks and corners of human yearnings and aspirations. Naseer Zinda is well versed with this form of poetry. He is a literary legend having mastery in this craftmanship. He is a possessed poet with ecstatic mood. When he reads poetry in poetry sessions, he seems a replica of engrossed , impassioned and transported person. In the words of William Wordsworth, poetry is a chosen task and Naseer Zinda is a devoted poet. His poetry is inspiring and insightful. It is reflective and intuitive. The poetry of John Milton is Latinized as the poetry of Mirza Ghalib is Persianized. The diction and idiom of his poetry is mighty and is embellished with Persian Phraseology. His style is lofty and facile because of his sedulous pursuance in achieving poetic exuberance. He is a social reformer and appeals to one's heart and mind. I would like to cite his two couplets that depict the sublimity and profundity of his innovative mind- set. He says: " Today , there is no seer around; no spark is found in the eyes of Narcissius. The Sun of today is without light. There is no hole in the wall of tomorrow." This couplet is a complaint against our social and political depressive, decadent and deplorable situation. He feels as we are living a prison and are incarcerated in devastating dungeons oppressed by swindlers and imposters. Then , in an other Quatrain, he laments in these sorrowful words: "The idols are altered into several gods. The icons of innovation and profanity are decorated in Kaaba(Grand Mosque in Mecca). Only the sword of Pen can behead the predators."

Dr. Allama Iqbal had said:" When the Sun of profanity rises from Kaaba, then where to find faith?" Naseer Zinda also alludes to the spiritual exploitation in the name of self-styled custodian of religion. He sobs on the wretched condition of the Muslims who are the victim of injustice and tyranny whether it is mundane, social, economic , political or religious. He is the pinnacle and pioneer of human rights and human values. His clarion call for revolution will be heard one day by the coming generation. He is optimistic about his grand mission of love, justice and freedom.

Dr. Maqsood Jaffery
March 9, 2021
Islamabad

میلاد چوک، وارڈ نمبر 7، حیات سر روڈ، گوجر خان
Cell: 0300-9833334, 0300-5921192
Email: qalam.dost6@gmail.com